عصمت انبیاء
محمد نظام الدین رضوی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ
S-1
675
7721

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

ترجمہ

تمہارے صاحب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ بہکے، نہ بے راہ چلے،
اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو جو فرماتے ہیں محض وحی الٰہی
ہوتی ہے. جو انھیں کی جاتی ہے۔ (سورۃ النجم ۵۳۔ آیۃ ۲، ۳، ۴)

عصمتِ انبیاء

تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر قسم کے معاصی اور نفرت انگیز
امور سے پاک وصاف ہیں، یہی علمائے اسلام کا موقف ہے،
اس کتاب میں اس مسئلے پر تحقیقی انداز سے بحث کی گئی ہے اور
قرآن وحدیث اور اقوال سلف وخلف کی روشنی میں اسے
خوب خوب منقح کیا گیا ہے

تصنیف :۔ محمد نظام الدین رضوی

استاذ و مفتی دارالعلوم اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڈھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ــــــ عصمتِ انبیاء (علیہم الصّلوٰۃ والسلام)
مصنف ــــــ (مفتی) محمّد نظام الدین رضوی
صفحات ــــــ ۱۲۴
پہلا اڈیشن ــــــ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ / اکتوبر ۱۹۹۴ء
تعداد ــــــ ۱۰۰۰
ناشر ــــــ حضرت مولانا حکیم محمد افضال احمد صاحب برکاتی
بکھاری - فیض آباد
قیمت ــــــ اٹھارہ روپے صرف =/۱۸

مصنّف کی تمام تصانیف ملنے کے پتے

- (مفتی) محمد نظام الدّین رضوی، دارالعلوم اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڈھ ۲۷۶۴۰۴
- حق اکیڈمی، مبارکپور، اعظم گڈھ ۲۷۶۴۰۴
- المجمع المصباحی، اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڈھ - (یوپی)
- اعظمی بکڈپو، مدھوبن روڈ، گھوسی، ضلع مئو (یوپی)
- جامعہ بکڈپو، قصبہ رونا ہی، ضلع فیض آباد (یوپی)
- نوری کتاب گھر، مدھوبن روڈ، گھوسی، ضلع مئو
- مکتبہ جام نور جامع مسجد، مٹیا محل، دہلی
- فاروقیہ بکڈپو، مٹیا محل، دہلی
- المجمع الاسلامی، فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو
- مولانا ایاز احمد مصباحی، مدرسہ بدر العلوم، جسپور، نینی تال۔

آئینۂ کتاب

شرفِ انتساب

پیشِ نظر کتاب "عصمتِ انبیاء" اپنے موضوع کے شرف کے لحاظ سے میری تمام تصانیف میں سب سے زیادہ اہم و اشرف ہے بلکہ اس حیثیت سے میرے لئے سرمایۂ افتخار بھی ہے کہ مجھے سرکار علیہ التحیۃ والثناء کی سیرتِ طیبہ پر کام کرنے کی توفیق ملی ہے

شکرِ خدائے کن کہ موفق شدی بخیر ؛ زِ انعام و فضل اُو نہ معطّل گزاشتت

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی ؛ منت ازو شناس کہ بہ خدمت گزاشتت

میں اپنا یہ "سرمایۂ افتخار" اپنے اساتذۂ کرام دامت فیوضہم القدسیہ کے احسانات کے شکریہ کے طور پر ان کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں۔ ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

سچ یہ ہے کہ یہ کام میرا نہیں، بلکہ میرے انھیں بزرگوں کا ہے جنھوں نے اس ہیچ مایہ کو علم و ادب سے سرفراز کیا۔

ھدیۂ تشکر

یہ میری بڑی خوش نصیبی ہے کہ میری جو کتاب بھی شائع ہوتی ہے تو پہلے اسے میرے کسی جلیل القدر استاذ کی نظر ثانی کا شرف ضرور حاصل ہوتا ہے اور الحمد للہ یہ کتاب چار ایسے اساتذۂ کرام کے ملاحظہ کے بعد شائع ہو رہی ہے جو بجائے خود علم کے جبل شامخ، بلکہ سراپا علم ہیں، وہ حضرات یہ ہیں:

(۱) نائب مفتیٔ اعظم ہند حضرت العلام مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی۔

(۲) بحر العلوم حضرت العلام، مولانا، مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی۔

(۳) محدث کبیر حضرت علامہ و مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری۔

(۴) شیخ القرآن حضرت علامہ و مولانا عبد اللہ خاں صاحب قبلہ عزیزی۔

میں ان بزرگوں کی ذرہ نوازی پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔ خدائے پاک ان کا، اور دوسرے اساتذۂ کرام کا سایۂ عاطفت تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین۔

ساتھ ہی میں شکر گزار ہوں فاضل لبیب حضرت العلام مولانا محمد احمد مصباحی زِیدَ لُطفُہٗ، شیخ الادب دار العلوم اشرفیہ مبارکپور کا، کہ آپ نے بھی اپنا قیمتی وقت صرف کر کے اسے ملاحظہ فرمایا، اور حوصلہ افزائی کی۔

اس کتاب کے ناشر محبِّ مکرّم و مخلص اکرم حضرت مولانا حکیم محمد افضال صاحب برکاتی زِیدَ مجدُھُم (بکھاری، ضلع فیض آباد یوپی) کا بھی تہ دل سے مشکور ہوں کہ آپ کے خصوصی تعاون سے یہ کتاب شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ خدائے کریم انھیں دارین کے حسنات و سعادات سے نوازے — اور ان سے دینِ حنیف کی خدماتِ جلیلہ مقبولہ لے۔ آمین۔

تصدیق جلیل

فہامہ عصر حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ
نائب مفتی اعظم ہند، شارح بخاری، ناظم تعلیمات و سرپرست مجلس شرعی
جامعہ اشرفیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ للہ ھو الفقہ الاکبر ؛ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ علیٰ حبیبہٖ ؛ وَعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ ؛

حضرات انبیائے کرام کی عصمت کے بارے میں اہل سنت وجماعت کا بنیادی عقیدہ وہ ہے جو بہار شریعت حصہ اول ص۱۳ پر مذکور ہے۔

"انبیاء علیہم السلام شرک و کفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لئے باعثِ نفرت ہو۔ جیسے کذب و خیانت و جہل وغیرہا صفاتِ ذمیمہ سے۔ نیز ایسے افعال سے جو وجاہت و مروت کے خلاف ہیں قبلِ نبوت و بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں اور قبائح سے بھی مطلقاً معصوم ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ تعمدِ صغائر سے بھی قبل نبوت و بعد نبوت معصوم ہیں"

ہمارے اس عقیدے پر فاضل مجیب، اَزکیٰ اَذکی اللبیب، مولانا مفتی محمد نظام الدین جعلہ اللہ کاسمہٖ نظامَ الدین نے نہایت محققانہ بحث کی ہے، اسے دلائل و براہین سے مزین کیا ہے۔ میں ان کے اس فتوے کی تصدیق کرتا ہوں۔

دعا ہے کہ مولا عزوجل فاضل مجیب کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کے فیض کو عام و تام بنائے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

محمد شریف الحق امجدی

خادم الافتاء، جامعہ اشرفیہ مبارکپور

۵ رجمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ

تصدیق جمیل

ممتاز الفقہاء حضرت علامہ مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ

صدر المدرسین، وصدر مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید ابی شکور سالمی میں اہل سنت کا یہ عقیدہ بیان ہوا ہے کہ:

لا یجوز فی الحکمۃ إنزال الوحی علی شخص کاذب، فاسق فوجب أن یکون معصوما قبل الوحی من طریق الوجوب۔ لا من طریق الجواز۔ لأنّ کل ما کان فی حیّز الجواز یستوی فیہ المرسل وغیرہ۔

والأمّۃ یجوز أن یکون معصومًا، ویجوز أن لا یکون معصومًا فعصمۃ الأنبیاء إنما یثبت بطریق الوجوب، لا من طریق الجواز۔ فاذا کان واجب العصمۃ قبل الوحی دلّ أنّہ نبیّ لانّ غیر النبیّ لا یجب أن یکون معصومًا۔

فاذا ثبت أن العصمۃ واجبۃ فی حق الانبیاء صلوات اللہ

وسلامُہ علیهم وجب ان یکونوا معصومین عن الصّغائر والکبائر،
لأنا لوجوّزنا منهم الکبیرۃ فیجوز منهم الکفر، ولوجوّزنا منهم
الصغیرۃ فیجوز منهم الکبیرۃ، لأن الصغیرۃ مع القصد والنیّة
تکون کبیرۃً، وهذا لایجوز، فوجب أن یکونوا معصومین
عن الصّغیرۃ والکبیرۃ، ومعصومین عن النیّة بالصّغیرۃ۔
اھ (ص ۹۸ ۔ أقول الثانی فی عصمة الأنبیاء)

اس کے خلاف کہنا اہل سنت کے عقیدے سے کھلا ہوا انحراف ہے۔
حضرت مولانا محمد نظام الدین صاحب نے اپنے پیش نظر فتوے میں اس
مسئلے پر ائمۂ دین کے اقوال سے جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ قابل ستائش
ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی سعئ خیر کو قبول فرمائے اور فکر و قلم میں مزید پختگی
عطا فرمائے۔ آمین۔

ضیاء المصطفٰے قادری

۵ر جمادی الاخریٰ ۱۴۱۳ھ

تصدیق انیق

فاضل لبیب حضرت مولانا محمد احمد صاحب مصباحی دام ظلہ،

استاذ و رکن مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ

جزاك الله من فاضلٍ، أجدتَ التحقیق، وأنعمتَ
التدقیق، وأحسنت الترتیب والإستنباط، وکشفت الحق
ودرأت اللبس فیضك الله وایانا لما یحبُّه ویرضا به، نِعْمَ
المولیٰ ونِعْمَ النصیر۔

(ترجمہ) رب کریم فاضل مرتب کو جزائے خیر سے نوازے۔ انھوں نے خوب تحقیق فرمائی، باریک تدقیق، عمدہ ترتیب، اور دلکش استنباط بھی ہے جس سے حق کا انکشاف ہوا اور اشتباہ والتباس دور ہوا۔ اللہ عزوجل انھیں اور ہمیں اپنی پسند اور مرضی کے کاموں میں لگائے۔ وہ کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔

محمد احمد الاعظمی المصباحی

۱۳ / ۵ / ۱۴۱۳ھ
۹ / ۱۰ / ۱۹۹۲ء

دار القضا برائے ۴ اضلاع

صوبہ اتر پردیش کے شمال مشرقی سرحد پر واقع علاقوں کے مسائل و خصومات کے حل کے لئے فروری ۱۹۸۶ء میں ایک دار القضا کا قیام عمل میں آیا جسکے حدود میں دیوریا، پڈرونہ، گورکھپور، مہراج گنج ۴ اضلاع آتے ہیں، اب تک اس دار القضا سے کئی سو مقدمات فیصل ہو چکے ہیں۔ ان علاقوں کے مسلمان اپنے مقدمات درج ذیل کسی قریبی مدرسہ میں درج کرائیں (۱) انجمن اسلامیہ کسیا ضلع پڈرونہ (۲) مدرسہ انوار العلوم متصل عیدگاہ، راجہ بازار کھڈا، ضلع پڈرونہ (۳) مدرسہ اشاعت الاسلام کوٹوا بیریا، پرتاول ضلع مہراج گنج یا براہ راست اشرفیہ مبارکپور کے پتہ پر راقم سطور سے رابطہ قائم کریں۔

محمد نظام الدین رضوی
قاضی شریعت برائے اضلاع متحدہ گورکھپور دیوریا۔

مشہور صاحبِ قلم وماہرِ رضویات

عالی جناب پروفیسر محمد مسعود صاحب کا

مکتوب اور استفتاء

۲/۱۷ ۔ سی

پی ۔ ای ۔ سی ۔ ایچ سوسائٹی

کراچی نمبر ۰۰ ۷۵۴

۲۴/ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

باسمہٖ تعالیٰ

محترمی ومکرمی زید لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ـــــ امید ہے کہ مزاج اقدس بخیر ہونگے۔ ایک استفتاء ارسال کر رہا ہوں۔ مدلل جواب عنایت فرمائیں کیونکہ استفتاء کا تعلق " علماء محدثین " سے ہے۔ جواب ان کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، فقیر دعاؤں کا محتاج ہے۔

فقط والسلام ا حقر محمد مسعود عفی عنہ

۲۶/ جولائی ۱۹۹۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلے میں:

۱ - زید جو ایک عالم اہلسنت اور شیخ الحدیث ہیں سورۂ فتح کی دوسری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے " ذنب " کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہیں ۔ موصوف کے نزدیک " ذنب " کی نسبت امت کی طرف کرنا احادیث صحیحہ کے خلاف اور عقلاً مخدوش ہے ۔

۲ - بکر جو عالم اہل سنت، مفتی اور شیخ الحدیث ہیں زید کے موقف کی تائید کرتے ہوئے " ذنب " کا ترجمہ گناہ کرتے ہیں اور گناہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کی طرف نسبت دیتے ہیں ۔ جب ان کو متوجہ کیا گیا، تو انھوں نے فرمایا کہ لغت میں " ذنب " کے معنی گناہ کے سوا اور کچھ نہیں ۔

بکر نے اپنی ایک تدریسی تقریر میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں ۔

حضور کے گناہ ، حضرت یوسف کے گناہ ، حضرت نوح کے بھی گناہ ، حضرت عیسیٰ کے بھی گناہ ۔

۳ - اسی تدریسی تقریر میں بکر نے بخاری شریف* جلد اول ص ۷ کی

---

* بخاری شریف جلد اول ص ۷ کی وہ حدیث یہ ہے ۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَهُمْ، أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيْقُوْنَ ۔ قَالُوْا : إِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، إِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَغْضَبُ ، حَتّٰى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِيْ وَجْهِهٖ ، ثُمَّ يَقُوْلُ : إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَ أَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ أَنَا ۔ (ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں

ایک حدیث بیان کرتے ہوئے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے صحابہ کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

"یَا رَسُوْلَ اللہ"، ہم تو آپ جیسے ہیں، آپ بھی انسان ہیں، ہم بھی انسان ہیں، ہماری بھی دو آنکھیں ہیں، آپ کی بھی دو آنکھیں۔ الخ"

(۴) بکر اسی تقریر میں سورۂ فتح کی آیتہ نمبر ۲ کے معنی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بچے کے سامنے بھی اگر یہ بات رکھیں گے تو وہ بھی کہے گا کہ صحابہ سمجھ رہے تھے کہ حضور اکرم علیہ السلام کے گناہ معاف ہوئے"

(ا) از روئے شرع شریف زید کا موقف صحیح ہے یا نہیں۔؟

(ب) بکر نے جو کلمات استعمال کئے ہیں، اور انبیاء سے گناہ کو نسبت

کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب صحابہ کو کوئی حکم دیتے تو انھیں ایسے اعمال کا حکم فرماتے جو ان کے بس میں ہو، صحابہ عرض کرتے، یا رسول اللہ! ہم آپ کے جیسے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے ذنب کی مغفرت فرما دی ہے تو سرکار ناراض ہوتے۔ یہاں تک کہ روئے زیبا سے ناراضگی کے آثار ظاہر ہوتے، پھر آپ ارشاد فرماتے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں، اور مجھے سب سے زیادہ اس کا عرفان حاصل ہے۔ ۱۲ رضوی

ے سورۂ فتح کی آیت کریمہ یہ ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (آیة ۱، ۲)

ترجمہ (اے محبوب) بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرما دی، تاکہ اللہ تمہارے سبب سے تمہارے اگلے، پچھلے ذنب کی مغفرت فرما دے۔ ۱۲ رضوی

دی ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت ہے یا نہیں ؟

(ج) زید اور بکر اگر غلطی پر ہیں تو شرعاً ان کیلئے کیا حکم ہے ؟

بَیِّنُوْا ، تُوْجَرُوْا

المستفتی - آر، بی، مظہری ــــــ حیدرآباد سندھ

مصنف کی ایک نہایت مقبول علمی تصنیف

جدید بینک کاری اور اسلام

زیر نظر کتاب میں وقت حاضر کے درج ذیل اہم اور پیچیدہ مسائل پر عصری اسلوب میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور ہر ایک مسئلہ کا حکم شرعی بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، وہ مسائل یہ ہیں :

(۱) لائف انشورنس (۲) جنرل انشورنس اختیاری (۳) جنرل انشورنس غیر اختیاری (۴) بینک سے سودی قرض لینا (۵) انکم ٹیکس کی مجبوری (۶) بلوں اور ہنڈیوں کا بٹہ (۷) ڈرافٹ (۸) ٹراویلنگ چیک (۹) وی پی وغیرہ (۱۰) منی آرڈر (۱۱) نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ (۱۲) منتھلی انکم اسکیم (۱۳) فکسڈ ڈپوزٹ (۱۴) کیومولے ٹیو ڈپوزٹ اکاؤنٹ (۱۵) کرنٹ اکاونٹ (۱۶) سیونگ بینک اکاونٹ (۱۷) کسان وکاس پتر (۱۸) گاندھی وکاس پتر (۱۹) سنچیئ جمع یوجنا (۲۰) قیمتی چیزوں کی حفاظت بامعاوضہ، چیک اور پرچی کی خرید و فروخت وغیرہ

بینکوں کا یہ کاروبار کچھ جزوی فرق کے ساتھ دنیا کے تقریباً سارے ہی مسلم وغیر مسلم ممالک میں رائج ہے اس لئے فاضل مصنف نے اپنی بحث کا دائرہ صرف ہندوستان تک محدود نہیں رکھا، بلکہ ایک اہم مقدمہ کے ذریعہ تمام مسلم وغیر مسلم ممالک کے بینکوں کا احاطہ کر کے سب کے احکام پر روشنی ڈالی ہے اس طرح یہ کتاب عالمگیر افادیت کی حامل ہو گئی - (بشکریہ ماہنامہ اشرفیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین ۝ والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ سید المرسلین ۝ وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین ۝

الجواب

"عصمت"، کا لغوی معنی ہے "گناہوں سے بچانا، روکنا، محفوظ رکھنا"۔ اور شرعی معنی ہے "گناہوں سے بچنے کا ملکہ"

حضرت صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی شہرۂ آفاق کتاب بہارِ شریعت میں عصمتِ انبیاء کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"عصمتِ انبیاء کے معنی یہ ہیں کہ ان کے لئے حفظ الٰہی کا وعدہ ہوگیا ہے جس کے سبب ان سے صدورِ گناہ شرعاً محال ہے"، (۱)

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے قدرت واختیار کو سلب کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفی میں لکھتے ہیں کہ:

وحقیقۃ العصمۃ: اَن لا یخلق اللہ تعالیٰ فی العبد الذنب	عصمت کی حقیقت "یہ ہے کہ گناہ پر بندے کی قدرت واختیار کے باوجود

(۱) بہار شریعت حصہ اول، ص ۱۳، ۱۴۔

مع بقاء قدرته و اختيارہ۔ وهٰذا معنى قولهم۔ هِيَ لطفٌ من الله تعالىٰ يحمله علىٰ فعلِ الخير، ويزجرهٗ عن الشر مع بقاء الإختيار" اھ (۱)

اللہ تعالیٰ اسمیں گناہ پیدا نہ کرے۔
اور علمائے اسلام نے جو یہ فرمایا کہ "عصمت خدائے پاک کا لطف وکرم ہے جو بندے کو اسکے اختیار کے باوجود فعل خیر پر آمادہ کرتا ہے، اور عمل شر سے باز رکھتا ہے"، اس کا بھی یہی مطلب ہے۔

یعنی قدرت واختیار کے باوجود ان سے گناہ کا صدور ناممکن ہے۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ان پر بے پایاں فضل وکرم ہے اور یہی فضلِ الٰہی ان کو عصمت کے بلند مرتبے پر فائز کرتا ہے۔

ان عبارتوں سے واضح ہوا کہ انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت میں بڑا نمایاں فرق ہے۔ کیونکہ فرشتوں کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر گناہ کا کام کرنے کی قدرت واختیار نہیں ہوتا۔ اور انبیائے کرام کے معصوم ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ قدرت واختیار کے باوجود فضلِ الٰہی کے سبب ان سے گناہ کا صدور محال ہوتا ہے۔

فرض کیجئے، ایک ایسا گونگا شخص ہو جو کسی کو گالی دینے، یا برا بھلا کہنے کی قدرت وصلاحیت نہیں رکھتا اس وجہ سے اس کی جانب سے کسی کو اذیت وتکلیف نہیں پہونچتی۔ لیکن دوسرا شخص ہے جو

(۱) شرح العقائد النسفیہ ص ۱۱۳۔ بحث۔ لا یُشترط فی الإمام أن یکون معصومًا۔
أیضًا: ألمعجم الوسیط ص ۶۰۵۔

گفتگو اور بات چیت پر قادر ہے، جو گونگا نہیں ہے، جو بُری باتیں بھی بول سکتا ہے اور اچھی باتیں بھی، لوگوں کو وعظ و نصیحت بھی کر سکتا ہے اور برائیوں و بد کاریوں کی طرف مائل بھی کر سکتا ہے لیکن اس کے باوجود جب اس سے کوئی قول صادر ہوتا ہے تو اس میں صرف نیکی و بھلائی کا عنصر پایا جاتا ہے، شر و فساد کا کوئی پہلو اس میں نہیں ہوتا، اس لئے اس کے قول سے کسی کو اذیت و تکلیف نہیں پہونچتی —— آپ غور فرمائیں کہ گونگا اور صاحبِ لسان دونوں ہی کے ذریعہ کسی کو اذیت نہیں پہونچتی، لیکن عقل کا فیصلہ یہی ہوگا کہ جو شخص زبان و بیان پر قادر ہے اور اس کے باوجود اس کی زبان سے کسی کو تکلیف نہیں پہونچ رہی ہے وہ صاحب کمال اور مرتبے میں فائق و بلند ہے۔

اسی تمثیل کے ذریعہ انبیائے کرام اور فرشتگانِ خدا کی عصمتوں کا مقابلہ و موازنہ کیا جا سکتا ہے کہ فرشتوں کو تو گناہ پر قدرت ہے ہی نہیں، اس لئے وہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اور انبیائے کرام سے قدرت و اختیار کے باوجود گناہ کا صدور محال ہوتا ہے اس لئے یہ بات واضح ہوگئی کہ انبیائے کرام کی عصمت ملائکہ عظام کی عصمت سے بلند و فائق تر ہے۔

عصمتِ انبیاء کا مفہوم واضح کرنے کے بعد اب ہم اس باب میں علمائے امت کا موقف اور ان کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

عصمت انبیاء کے باب میں علمائے اُمت کا موقف

اس امر پر پوری اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام و رُسلِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کفر و شرک، اور جو چیز خلق کے لئے نفرت و بیزاری اور ننگ و عار کی باعث ہو ان سب سے

ہر حال میں معصوم و مُنزّہ ہیں۔ گناہِ کبیرہ اور صغائر رذیلہ سے بھی بالاجماع معصوم ہیں، چنانچہ مواقف و شرح مواقف میں ہے:

تمام اصحابِ مذاہب و اربابِ شرائع کا اجماع ہے کہ انبیائے کرام کی جن باتوں کی صداقت معجزہ سے ثابت ہو ان میں جھوٹ سے آپ حضرات کا معصوم ہونا ضروری ہے۔
... بقیہ گناہ دو طرح کے ہیں، کفر اور غیر کفر۔ کفر سے قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہونے پر امت کا اجماع ہے اور اس میں ایک فرد کا بھی کوئی اختلاف نہیں۔
رہے کفر کے علاوہ دوسرے گناہ، تو یہ دو قسم کے ہیں، کبائر اور صغائر۔ قصداً کبائر کا صدور آپ حضرات سے جمہورِ ائمہ و محققین کے نزدیک ناممکن ہے، اور اس باب میں سوائے ایک بدمذہب فرقہ "حشویہ" کے کسی کا اختلاف نہیں۔ جمہور میں سے اکثر محققین دلیل سمعی کتاب و سنت کے نصوص اور مخالفین کے ظہور سے پہلے اجماعِ امت کے قیام

(أجمعَ اهل الملل والشرائع) كلّها (على وجوب عصمتهم عن تعمّد الكذب فيما دلّ المعجز) القاطعُ على صدقهم فيه ....
(وأمّا سائر الذنوب فهي إمّا كفرٌ او غيرهُ) من المعاصي۔ (أمّا الكفر فاجتمعت الأمّةُ على عصمتهم عنه) قبل النبوة وبعدها، ولاخلاف لِأحدٍ منهم في ذلك ...
(وأمّا غير الكفر، فإمّا كبائرُ أوصغائر .... أمّا الكبائر) أي صدورها عنهم (عمداً فمنعه الجمهور) من المحققين والأئمة (ولم يخالف فيه إلّا الحشوية والأكثر على امتناعه سمعاً) .... فامتناع الكبائرُ عنهم عمداً مستفادٌ

مِن السمع واجماع الأمّة قبل ظهور المخالفین فی ذلک الخ۔ (۱)

کی بنیاد پر صدورِ کبائر کو محال قرار دیتے ہیں (اور بعض اشاعرہ و جمہور معتزلہ دلیل عقلی کی بنیاد پر محال مانتے ہیں۔

(شرح عقائد و نبراس ص ۲۸۳)

اور وہ صغائر جو خلق کے لئے نفرت اور ننگ و عار کے باعث نہیں ہیں ان کا صدور بھول چوک سے ہو سکتا ہے لیکن یہ فی الواقع کوئی گناہ نہیں ہے کہ بھول چوک پر شریعت کا قلم جاری نہیں ہوتا۔ چنانچہ شفاء اور شرح شفاء میں ہے:

(وأمّا ما یکون بغیر قصد و تعمّد کالسہو والنسیان فی الوظائف الشرعیّۃ ممّا تقرر الشرع بعدم تعلّق الخطاب و ترک المؤاخذۃ علیہ) کالسّہو فی الصلوٰۃ والنسیان فی الصیام (فأحوال الأنبیاء فی ترک المؤاخذۃ بہ، وکونہ لیس بمعصیۃ لھم مع أممھم سواءٌ) کما

انبیائے کرام سے بلا قصد و ارادہ شرعی امور میں جو خلاف ورزی ہو جاتی ہے یعنی بھول چوک سے (کوئی غیر مشروع کام ہو جاتا ہے) جس سے شریعت کی قرارداد کے مطابق خطاب الٰہی متعلق ہی نہیں، اور نہ ہی اس پر کوئی گرفت ہو گی جیسے نماز میں سہو اور روزے میں بھول تو یہ جیسے امت کیلئے معصیت نہیں اور اس پر مواخذہ نہیں ویسے ہی انبیائے کرام کیلئے بھی قابلِ مواخذہ اور معصیت نہیں۔ جیسا کہ درجِ ذیل آیت و حدیث اس پر دلالت کر رہی ہیں۔

---

(۱) مواقف و شرح مواقف ص ۶۸۸، ۶۸۹ المقصد الخامس فی عصمۃ الانبیاء۔

يشير اليه قولہ تعالیٰ: "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَانَا" و حديث "رُفِعَ عَنْ اُمَّتِيْ الْخَطَاءُ وَالنِّسْيَانُ" كما رواه الطبراني عن ثوبان مرفوعًا بسندٍ صحيحٍ اھ

آیت یہ ہے: "اے ہمارے رب ہماری بھول یا خطا پر ہم سے مؤاخذہ نہ فرما" اور حدیث یہ ہے۔ "میری امت سے خطا و نسیان کا گناہ ہونا اٹھا لیا گیا" اسے امام طبرانی نے بروایت حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بسند صحیح روایت کیا۔

—(۱)—

اسی مضمون کی تشریح مجدد اسلام امام احمد رضا قدس سرہٗ اپنے مخصوص انداز بیان میں اس طرح کرتے ہیں:

"ذنب" معصیت کو کہتے ہیں، اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاقِ معصیت "عمد" ہی سے خاص نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ۔ — آدم نے اپنے رب کی معصیت کی۔

حالانکہ خود فرماتا ہے:

فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ — آدم بھول گیا، ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔

لیکن سہو نہ گناہ ہے، نہ اس پر مؤاخذہ۔ خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا — اے ہمارے رب ہمیں نہ پکڑ

(۱) الشفا و شرح الشفاء للعلامة علی القاری ص ۲۶۷، ۲۶۸ ج ۲۔

اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا۔ اگر ہم بھولیں، یا چوکیں،، (۱)

مندرجہ بالا عبارتوں سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(الف) انبیائے کرام علیہم السلام کفر و شرک اور گناہ صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں۔

(ب) شرعی امور میں سے بعض امر میں ان سے سہو و نسیان ممکن ہے لیکن یہ معصیت کے زمرے میں داخل نہیں۔

(ج) ان تمام امور میں علمائے اسلام کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ صرف ایک بدمذہب فرقہ حشویہ کا اختلاف ہے جس کی اسلامی اصول کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں ہے۔

محققینِ اسلام نے عصمت کی بحث کے دائرے کو بہت وسیع کیا ہے اور بڑی دقیقہ سنجی اور باریک بینی سے ایسے تمام امور کو زیر بحث لائے ہیں جن سے انبیاء کرام کے دامنِ عصمت پر کسی نہ کسی نہج سے دھبہ آنیکا امکان تھا۔ چنانچہ شفا شریف میں امام قاضی عیاض اور شرح شفا میں حضرت علامہ علی قاری رحمہما اللہ نے مسئلہ عصمت پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے، یہ دونوں بزرگ فرماتے ہیں:

(قد استبان لك ايها الناظر) المتامل ربما قررناه ما هو الحق من عصمته عليه الصلوٰة والسّلام

اے صاحبِ فکر و نظر! ہمارے گزشتہ بیان سے تم پر یہ حق ظاہر ہو چکا ہے کہ حضور اکرم اور دوسرے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

(۱) فتاوی رضویہ ص ۷۷ ج ۹۔ ونحوہ فی الشفاء وشرحہ ص ۳۰۸ ج ۲۔ ۳۱۴

وکذا عصمۃ سائر الانبیاء علیہم السلام (عن الجھل باللہ تعالٰی) ای بذاتہ وصفاتہ، وکونہ علٰی حالۃٍ تُنافی العلم بشئٍ من ذٰلک کلہ جملۃً) أی إجمالاً وھٰذہ العصمۃ ثابتۃ لہٗ (بعد النبوۃ عقلاً واجماعًا، وقبلھا سمعًا ونقلاً) والمُراد بالسماع ماثبت بالسنّۃ، وبالنقل مانقل عن الائمۃِ۔

اللہ تعالٰی کی ذات وصفات سے ناآشنا ہونے سے معصوم ہیں، نیز ایسی حالت میں ہونے سے بھی معصوم ہیں، جو خدائے پاک کی ذات وصفات کے علم اجمالی کے منافی ہو، ان برگزیدہ حضرات کے لئے یہ عصمت نبوت کے بعد تو اجماع اور دلیل عقلی سے ثابت ہے، اور نبوت سے پہلے خود آپ کی احادیث اور ارشادات اور ائمہ کی تصریحات سے۔ (۱)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ انبیائے کرام کے لئے ناممکن ہے کہ ذاتِ الٰہی اور اس کے صفات کا عرفان انھیں حاصل نہ ہو، اور وہ اس امر سے معصوم ہیں کہ ان میں ایسی بے علمی کی کیفیت پائی جائے۔

حضرت قاضی عیاض اور ملا علی قاری مزید تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

(ولا بشئٍ مما قررہٗ) ای النبیُّ (من امور الشرع

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے رب عزوجل کی جانب سے جن احکام کی،

(۱) الشفاء وشرح الشفاء ص ۲۱۲، ۲۱۴ ج ۲ - درسعادت

وأداه عن ربه عزّ وجلّ من الوحي) الجليّ أو الخفيّ من الكتاب والسنة (قطعاً) أي بلا شبهة (عقلاً وشرعاً) ۔ (۱)

اور کتاب و سنت کی جس وحی جلی و خفی کی تقریر و تبلیغ فرمائی اس سے وہ کسی حال میں بھی بے خبر اور ناآشنا ہوں یہ نہیں ہو سکتا وہ اس سے بدلیل عقلی و شرعی یقیناً، قطعاً معصوم ہیں۔

یعنی آپ کی عصمت کے خلاف ہے کہ احکام الٰہیہ میں آپ کے لئے کسی طرح کی بھی بے خبری کی کیفیت پیدا ہو جائے، بلفظ دیگر آپ اس سے معصوم ہیں کہ شرعی امور سے آپ ناواقف رہیں، یہ تو ممکن ہے کہ کسی وقت آپ سے سہو و نسیان کا صدور ہو لیکن علی الدوام اس پر برقرار نہیں رہ سکتے بلکہ خدائے قدوس کی جانب سے آپ کو تنبّہ حاصل ہو جائے گا۔

اب تک کی بحث سے یہ معلوم ہوا کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی عدم معرفت سے معصوم و محفوظ ہیں، اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ شرعی احکام میں آپ کی ذاتِ اقدس پر بے خبری کی حالت نہیں پیدا ہو سکتی کہ یہ بے خبری نبوت کے عظیم منصب کے خلاف ہو گی۔

اسی طرح آپ کی ذاتِ اقدس سے اگر خلاف واقع بات ظاہر ہو، یا کذب کا صدور رہو، معاذ اللہ، تو شرعی احکام میں اعتماد اٹھ جائے گا، اس لئے کذب وغیرہ رذائل سے بھی آپ پاک و صاف ہیں۔ چنانچہ

---

(۱) الشفاء و شرح الشفاء ص ۳۱۳، ۳۱۴ ج ۲ - درسعادت

امام قاضی عیاض اور ملا علی قاری لکھتے ہیں:

(وعصمته عن الکذب) فی القول مطلقا (وخلف القول) فی الإخبار (منذ نبأه الله تعالیٰ وأرسله) إلیٰ أمته (قصدا أو عن غیر قصد واستحالة ذلك) ای ما ذکر من الکذب والخلف (علیه شرعا) ای سمعا (وإجماعا ونظرا) ای عقلا (وبرهانا، وتنزیهه عنه) أی عن الکذب (قبل النبوة قطعا) لئلا تقع الأمة فی الشبهة بعدها أصلا۔ (وتنزیهه عن الکبائر إجماعا، وعن الصغائر تحقیقا) لحملها علی خلاف الأولیٰ تدقیقا... (۱)

(۳) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہور نبوت کے وقت سے جان بوجھ کر، یا بھول چوک سے خلاف واقعہ خبر دینے سے اور جھوٹ بولنے سے تو مطلقاً معصوم ہیں۔ اور یہ کذب و خُلف کتاب و سنت کے نصوص، اجماعِ امت اور عقل و براہان کے مستحکم دلائل کی بنیاد پر آپ سے محال ہے۔ ظہور نبوت سے پیشتر بھی جھوٹ سے آپ کا معصوم ہونا قطعی و یقینی ہے تاکہ بعد نبوت کسی بھی طرح امت شبہہ میں نہ پڑے۔

(۴) کبیرہ گناہوں سے تو آپ بالاجماع پاک و منزہ ہیں۔

(۵) اور بر بنائے تحقیق صغیرہ گناہوں سے بھی منزہ ہیں کیونکہ دقتِ نظر سے ثابت ہو جاتا ہے کہ جن امور کو صغائر سمجھا گیا ہے وہ خلاف اولیٰ سے زیادہ نہیں۔

---

(۱) الشفاء و شرح الشفاء ص ۳۱۳، ۳۱۴ ج ۲۔ در سعادت۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا.

صغائر غیر رذیلہ کے باب میں علماء کے دو گروہ

کہ پانچ طرح کے ایسے امور ہیں جو انبیائے کرام کے شایانِ شان نہیں، اور ان سے آپ حضرات کی تنزیہہ و تقدیس لازم ہے، ان میں سے چار امور سے عصمت پر تو امت کا اجماع ہے لیکن آخری نوع یعنی گناہ صغیرہ کے باب میں علمائے امت کے درمیان قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک طبقہ کا رجحان یہ ہے کہ انبیائے کرام سے ایسے صغائر کا صدور ممکن ہے جو خلق کے لئے باعث ننگ وعار نہیں ہوتے، لیکن محققین کا گروہ اس سے بھی عصمت کو ضروری گردانتا ہے جیساکہ ذیل کے اقتباسات سے اندازہ ہوگا۔

(ذہبت طائفۃٌ أخریٰ من المحققین من الفقہاء والمتکلمین إلیٰ عصمتہم من الصغائر کعصمتہم من الکبائر)

أی المتفق علی عدم صدورها عنہم (۱)

محقق فقہاء و متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ انبیائے کرام صغائر سے بھی معصوم ہیں، جیساکہ کبائر سے بالاتفاق معصوم ہیں۔

انھیں محققین کے زمرے میں سراج الامہ کاشف الغمہ، امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان بھی شامل ہیں کہ آپ نے اپنے عقائد کی مبارک کتاب اُلفقہ الأکبر میں اسی کی صراحت فرمائی ہے چنانچہ آپ

(۱) اُلشفاء و شرح الشفاء، ص ۲۵۱ ج ۲۔

رقمطراز ہیں:

روالأنبياء عليهم السلام كلّهم منزّهون) أى معصومون (عن الصغائر والكبائر) أى من جميع المعاصى (والكفروالقبائح) ثمّ هذه العصمة ثابتة للأنبياء قبل النّبوّة وبعدها على الأصح (وقد كانت منهم) أى من بعض الانبياء (زلّات وخطيّات) أى عثرات بالنسبة إلى مالهم مِن علىٰ المقامات، وسُنىٰ الحالاتِ اھ (۱)

تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سارے ہی چھوٹے، بڑے گناہوں سے معصوم ہیں۔ بالخصوص کفروشرک اور تمام قبیح وقابل نفرت امور سے معصوم ہیں۔

پھر یہ عصمت صحیح مسلک کی بنا پر نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد دونوں حالتوں میں ثابت ہے۔

ہاں بعض انبیائے کرام سے کچھ ایسے کام ہوئے جو ان کے بلند درجات اور فائق حالات کے لحاظ سے زَلَّت اور لغزش قرار پاتے ہیں۔ (اور یہ عام صالحین کے لحاظ سے زلت ولغزش بھی نہیں)

بعض انبیائے کرام سے ان کے مراتب عالیہ کے لحاظ سے جو لغزش صادر ہوگئی اسی کو علماء کے ایک طبقہ نے گناہ صغیرہ قرار دے کر محققین سے اختلاف رائے کیا، حالانکہ وہ حقیقت میں گناہ نہیں، پھر اسی بنیاد پر ان کے درمیان ایک دوسرا اختلاف بھی رونما ہوگیا، چنانچہ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"علماء میں اس اختلاف کے باعث کہ انبیائے کرام سے صغیرہ کا صدور

ممکن ہے، یا نہیں ــــ ان کے افعال کی بجا آوری میں اختلاف ہوگیا،"[1]

مگر حق کیا ہے، اسے ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی زبانی سنئے، آپ رقمطراز ہیں:

والحقّ المصیر إلیٰ امتثال أفعالھم، واتّباع سِیَرِھم وآثارھم مطلقاً بلا قرینةٍ علیٰ ماذھب إلیه أبوحنیفة ومالکٌ وأکثر أصحابِ الشافعی اھ ـــــــ (۲)

اور سچی بات یہ ہے کہ یہی تسلیم کیا جائے کہ انبیائے کرام کے تمام اقوال وافعال کی بجا آوری اور ان کے طور طریقے کی پیروی مطلوب ہے خواہ اس پر کوئی قرینہ پایا جائے یا نہ پایا جائے کہ انھوں نے یہ امر قصداً کیا ہے، یا سہواً کیا ہے، یہی مذہب امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک اور بیشتر اصحابِ شافعی کا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ علمائے امت کے درمیان صرف ایسے صغیرہ کے صدور کے بارے میں اختلاف ہے جو باعث ننگ و عار نہیں ہوتے اور حق یہ ہے کہ اس سے بھی عصمت ضروری ہے۔

عصمت حالتِ قصد و رضا کے ساتھ خاص نہیں

اب تک جن امور کے متعلق یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ نبوت کے منصب رفیع کے شایان شان نہیں ہیں ان تمام سے حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حال میں پاک ہیں، ایسا نہیں کہ یہ طہارت و پاکیزگی صرف حالت رضا اور حالتِ قصد کے ساتھ خاص ہو، چنانچہ حضرت

(۲،۱) الشفاء وشرح الشفاء ص ۳۱۶ ج ۲۔ ایضاً ص ۲۵۹، ج ۲

قاضی عیاض اور حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں :

(وَعِصْمَتِہٖ فِی کُلِّ حَالاتِہٖ من رضی وغضب و جد) والمرادُ بہٖ ھنا العزم والحزم (ومزحٍ) فإنّہٗ کما قال: أمزح ولا أقولُ إلّا حقًا۔ فکیف لا یکون جدّہٗ صدقا؟ (فیجب علیک أن تتلقاہ بالیمین) اھ ملخصًا۔(۱)

آپ کیلئے یہ عصمت خوشی ، ناخوشی ، قصد ، مزاح ہر حال میں ثابت ہے ، خود آپ کا ارشاد ہے ،، میں ہنسی مذاق میں بھی سچ کے سوا کوئی بات نہیں کہتا ،، پھر غیر تفریحی بات کیونکر سچ نہ ہوگی ۔

تو تم پر واجب ہے کہ اسے مضبوطی سے تھام لو ۔

خلاصۂ گفتگو

انبیائے عظام ، بالخصوص سید الرسل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درج ذیل امور سے ہر حال میں معصوم ہیں ۔

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات سے ناآشنا ہونے سے معصوم ہیں ۔

(۲) آپ حضرات نے جن احکام کی تقریر وتبلیغ فرمائی ان سے بے خبر اور ناآشنا ہونے سے معصوم ہیں ۔

(۳) جھوٹ اور وعدہ خلافی سے معصوم ہیں ۔

(۴) کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں ۔

(۵) تمام قبائح اور باعثِ ننگ وعار امور سے معصوم ہیں گو وہ

---

(۱) الشفاء وشرح الشفاء ص ۳۱۳ ، ۳۱۴ ، ج ۲

صغیرہ سہی۔

(۶) بربنائے تحقیق ایسے صغائر سے بھی معصوم ہیں جو باعثِ ننگ و عار نہیں ہوتے۔

اب ان کے دلائل ملاحظہ فرمائیے:

عصمتِ انبیاء کے دلائل

ہمارے ائمہ اسلام میں سے بہت بزرگوں نے عصمتِ انبیاء کے سلسلے میں بڑی باریک بینی سے کام لیا ہے اور انھوں نے اپنے ٹھوس دلائل کے ذریعہ یہ ثبوت فراہم کیا ہے کہ انبیائے کرام سے گناہ کبیرہ — خواہ سہواً ہو یا قصداً — کا صدور محال ہے۔ اور صغیرہ کا صدور عمداً نہیں ہوسکتا۔ لیکن جس دقیقہ سنجی کے ساتھ امام فخرالدین رازی علیہ الرحمہ نے دلائل پیش کیے ہیں اس میں وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

(۱) خدائے قدوس نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔

لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ — میرا عہد ظالموں کو نہیں پہونچتا۔

اور گناہ کا مرتکب ظالم ہے، لہذا کوئی ظالم مرتبۂ نبوت پر فائز نہیں ہوسکتا۔

اس موقعہ پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ یہاں "عہد" سے مراد عہد امامت ہے، عہد نبوت نہیں ہے یعنی "امامت" کے رتبے پر کوئی خطاکار وظالم فائز نہیں ہوسکتا۔

لیکن اس کا جواب صاف ظاہر ہے کہ "امامت" جو "نبوت" سے فروتر درجہ ہے اگر بالفرض اس پر کوئی فائز نہیں ہوسکتا تو منصب نبوت پر بدرجۂ اولیٰ

فائز نہیں ہو سکتا۔

(۲) انبیائے کرام کے اقوال و افعال کی پیروی تمام اولاد آدم پر لازم ہے اور اس پیروی کے ذریعہ یہ انسان ملکوتی صفات کا حامل ہو سکتا ہے، اب اگر ان سے گناہوں کا صدور ہو تو ان کی پیروی کیونکر لازم ہو گی، اور کیسے انسان اس سے بلند مرتبہ حاصل کرے گا۔

(۳) ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔

قرآن حکیم کے اندر ازواجِ مطہرات کے متعلق ارشاد فرمایا گیا:

"یَا نِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَھَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ"

اے نبی کی بیبیو! جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جرأت کرے اس پر اوروں سے دونا عذاب ہوگا۔

یہ دونا عذاب اس لئے ہوگا کہ ازواجِ مطہرات کی نسبت نبی کی طرف ہونے سے ان کا مرتبہ بلند ہو گیا، پھر اگر ان سے کوئی غلط کام سرزد ہو تو نہ صرف یہ کہ ان کے بلند رتبے کے خلاف ہو گا، بلکہ عقل باور کرتی ہے کہ ان سے بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا، اس اعتبار سے ان کی سزا دوگنی ہو گی۔

جب انبیائے کرام کی ازواجِ مطہرات کے لئے یہ فرمادیا گیا کہ امر قبیح کے صدور سے ان کے گناہ و عذاب دونا ہو جائیں گے تو انبیائے کرام کا مرتبہ تو بہت بلند ہے، بالفرض اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کی سزا کئی گنا ہونی چاہئے اور ظاہر ہے کہ عذاب و سزا سے انبیائے کرام مُبرّا ہیں اس لئے ان سے گناہوں کا صدور بھی محال ہوا۔

(۴) تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ جو شخص فسق و فجور کا مرتکب ہو اس کی گواہی ناقابل قبول ہوتی ہے تو اگر انبیائے کرام سے معاذ اللہ

کسی گناہ کا صدور ہو جائے تو وہ فاسق قرار پائیں گے اس سے ان کی تکذیب لازم آئے گی، حالانکہ وہ کذب سے بالاجماع معصوم ہیں۔

(۵) "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" یا تو واجب ہے، یا مستحب۔ اس کے پیش نظر اگر انبیائے کرام سے گناہوں کا صدور ہو تو ان کی زجر و توبیخ ہونی چاہیئے یعنی شرعاً ان کو اس گناہ کے کام سے کوئی منع کرے۔ اور یہ بالاجماع باطل ہے کہ انبیاء کی زجر و توبیخ ہو، یا معاذ اللہ ان کو لعن وطعن کیا جائے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ۔	لاریب، جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو ایذا پہونچاتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔

جب ان کی زجر و توبیخ ناممکن ہے کہ ان کی ایذا رسانی ہے تو لازمی طور پر اس سے ثابت ہوا کہ ان سے گناہ کا صدور (جو باعثِ زجر و توبیخ ہے) بھی ناممکن ہے۔

(۶) قرآن و سنت کی رو سے معصیت کار عذاب و سزا کا مستحق ہوتا ہے اس لئے اگر پیغمبر سے بالفرض معصیت کا ظہور ہو یعنی وہ کسی گناہ کے کام کا مرتکب ہو جائے تو وہ بھی مستحق عذاب ہو گا، کیونکہ قانونِ الٰہی ہے کہ جو بھی گناہ کا مرتکب ہو وہ عذاب کا سزاوار ہو گا۔ اور بالکل واضح ہے، بلکہ اجماع ہے کہ پیغمبر مستحق سزا و عذاب نہیں ہو سکتا لہٰذا اس سے گناہ کا صدور بھی نہیں ہو سکتا۔

(۷) اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْہِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّہٗ فَاتَّبَعُوْہُ	بیشک ابلیس نے اپنے گمان کو سچ کر دکھایا تو بہت سے لوگ

اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔) اسکے پیروکار ہو گئے، مگر مسلمانوں کا ایک گروہ اسکی پیروی سے باز رہا۔

ظاہر ہے کہ مومنین کے اس گروہ میں انبیائے کرام بھی داخل ہیں یعنی شیطان کی پیروی وہ بھی نہیں کر سکتے، اور اگر مومنین کے گروہ میں وہ شامل نہ ہوں تو لازم آئے گا کہ انبیائے کرام کے علاوہ کو ان پر فضیلت حاصل ہو، کیونکہ قرآن حکیم میں اللہ عزوجل نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

(اور انبیاء سے غیر انبیاء کا افضل ہونا بالاجماع باطل ہے چنانچہ شرح مواقف صـ ۶۹۰ میں اس کی صراحت ہے۔)

(۸) قرآن حکیم کے اندر خدائے قدوس نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے جو دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود نیکی پر عمل نہیں کرتے یعنی خود اپنی ذات کو بھول جاتے ہیں اور برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، یہ لوگ اللہ کے نزدیک مذموم ہیں اس لئے اگر کسی پیغمبر کی معاذ اللہ یہ حالت ہو جائے تو اس کا بھی مذموم ہونا لازم آئے گا اور یہ بالاجماع باطل ہے تو ان برگزیدہ حضرات سے گناہوں کا صدور ناممکن ہوا۔

(۹) اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سارے انبیائے کرام کے تذکرہ کے بعد ارشاد فرمایا:

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ۔ یہ تمام انبیائے کرام نیک کاموں میں تیز گام تھے۔

یہاں "الخیرات" پر "ال" عموم کے لئے ہے جو ہر بھلائی کو

شامل ہے اور بھلائی صرف یہی نہیں ہے کہ اچھے کام کو بجالایا جائے، بلکہ نیکی اور بھلائی یہ بھی ہے کہ بُرے کام سے باز رہا جائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ تمام انبیائے کرام ضرور ہر بُرے کام سے باز رہے اور گناہِ صغیرہ بھی "بُرا کام" ہے لہٰذا اس سے بھی باز رہنا، بلفظ دیگر معصوم ومحفوظ رہنا ثابت ہوگیا۔

(۱۰) قرآن حکیم میں خدائے قدوس نے ابلیس کا یہ قول حکایت کیا ہے۔

وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ	میں ضرور ان سب کو گمراہ کردوں گا،
اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ	مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے
الْمُخْلَصِيْنَ ۝	بندے ہیں۔

اور ایک دوسری آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیائے کرام کے متعلق ارشاد فرمایا۔

اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ	ہم نے ان کو چن لیا ہے۔

انسان جو کچھ بُرا کام کرتا ہے تو شیطان لعین ہی اس کو بُرائی کی طرف راغب ومائل کرتا ہے مگر اس کا تصرف انبیائے کرام پر جاری نہیں ہوسکتا کیونکہ عام انسانوں میں جو لوگ خدا کے نیک بندے ہیں ان پر جب وہ قابو نہیں پاسکتا تو انبیاء ورُسُل پر کیسے دسترس حاصل کرسکتا ہے۔ (۱)

ہمارے ناظرین کرام غور فرمائیں کہ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) النبراس شرح شرحِ عقائد ص ۲۸۵ میں ان دلائل کو امام رازی کی اربعین وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

نے کتنی باریک بینی اور نکتہ آفرینی کے ساتھ انبیائے عظام کے معصوم ہونے کے دلائل قرآن حکیم سے اخذ فرمائے ہیں۔

دلیلِ ثانی کی تحقیق

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو دوسری دلیل پیش کی ہے اس میں بڑا اجمال و اختصار ہے، اسی کو امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی تحقیق اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے آپ اسے محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے، وہ فرماتے ہیں:

و سبکی رحمۃ اللہ علیہ گفتہ: ہیچ شک و شبہہ ندارم من دراں کہ (صغائر غیر رذیلہ نیز) واقع نہ شدہ، وچگونہ تخیل کردہ شود در "قول" وحال آنکہ "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" صفتِ اوست۔

واما "فعل" اجماعِ صحابہ اسب کہ معلوم است از ایشاں قطعًا اتباعِ وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واقتدا بوے۔

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے اس باب میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام صغائر (غیر رذیلہ) سے بھی پاک و صاف ہیں، ان کا صدور آپ سے نہ ہوا۔ اور آپ کے "قول" کے متعلق یہ خیال کیسے کیا جا سکتا ہے کہ اسمیں کوئی غیر مناسب بات ہو سکتی ہے جبکہ خدائے قدوس قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

"کوئی بات آپ اپنی خواہش سے نہیں کہتے، وہ محض وحی ہے جو انکے رب کی طرف سے انھیں کیجاتی ہے"

اور سرکار کے فعل میں بھی کوئی نازیبا بات نہیں ہو سکتی کیونکہ اجماعِ صحابہ

ہرچہ بکند از قلیل ، و کثیر، یا صغیر یا کبیر۔ و نہ بود صحابہ را رضوان اللہ علیہم توقف و بحث تا آنکہ حرص داشتند بر علم بآنچہ می کرد آنحضرت در ستر و خلوت ، و بر اتباعِ آں۔ داند، یا نہ داند (۱)

سے بطور یقین یہ بات معلوم ہے کہ وہ سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر عمل کی اقتدا و پیروی کرتے تھے خواہ چھوٹا ہو، یا بڑا۔ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اور اس میں صحابہ کرام کو کوئی توقف نہیں تھا، نہ وہ کسی تحقیق و جستجو کے پیچھے پڑتے تھے (کہ اس پر عمل کیا جائے، یا نہ کیا جائے) یہانتک کہ وہ لوگ خلوت اور راز کی باتوں کے جاننے کیلئے انتہائی مشتاق تھے، اور اس کی پیروی کیلئے ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے خواہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی اقتدا و پیروی کا علم ہو یا نہ ہو۔

معصیت اور گناہ کے کام کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک وہ گناہ کا کام جو ”قول“ میں ہو، مثلاً کوئی جھوٹ بولے، کسی کی غیبت کرے، کسی پر بہتان باندھے، وغیرہ۔

دوسرے گناہ کا وہ کام جو اپنے اعضاء و جوارح سے آدمی وجود میں لائے۔ مثلاً کسی پر دست درازی کرنا، کسی غیر محرم کو دیکھنا، کسی کے ساتھ اپنے عمل سے بدسلوکی کرنا، وغیرہ ۔۔

پہلی قسم کے صغائر کا صدور سرکار علیہ التحیۃ والثنا سے اس لئے ناممکن ہے کہ خدائے قدوس نے آپ کی زبانِ مبارک کو وحیٔ الٰہی کا ترجمان

(۱) مدارج النبوۃ ص ۷۱، ۷۲ ج ۱۔ باب سوم در بیان فضل و شرافت۔

بنالیا ہے، اپنی خواہشِ نفس سے آپ کوئی بات کہتے ہی نہ تھے۔

اور عملی گناہ کا صدور اس لئے نہیں ہو سکتا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہمیشہ اس تجسس میں رہتے تھے کہ آپ سے کوئی عمل ظاہر ہو۔ خواہ یہ خلوت میں ہو یا جلوت میں۔ اس پر وہ عمل پیرا ہو جائیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی ان کو یہ ممانعت نہ فرمائی کہ میرے ہر عمل کی جستجو میں نہ رہو، بلکہ آپ کو صحابہ کی اس جستجو کا علم ہو، یا نہ ہو ہر حالت میں ان کو آزاد چھوڑے ہوئے تھے کہ میرے اعمال کی پیروی کرتے رہو اور میرے نقشِ قدم پر چلتے رہو اس لئے اگر سرکار علیہ الصلاۃ والسلام سے صغائر کا صدور ہوتا تو آپ کے علم و آگاہی کے بغیر صحابۂ کرام کو آپ کے عمل کی پیروی کی اجازت نہ ہوتی۔

ایک شبہہ کا ازالہ

کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ صحابۂ کرام کا انتہائی جذبۂ عقیدت و خلوص تھا، یا ان کا عشق و شیفتگی تھی جس کی بنا پر وہ سرکار کے ہر قول و فعل کی نقل کے لئے آمادہ رہتے تھے، لیکن یہ کوئی دلیل قطعی نہیں ہے جو اس بات کا ثبوت فراہم کرے کہ انبیائے کرام صغائر سے محفوظ و مامون رہتے ہیں۔

میرے نزدیک اس قسم کا شبہہ ایک وہم سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا، کیونکہ صحابۂ کرام کا کسی بات پر متفق ہو جانا یہ بھی ایک دلیلِ قطعی ہے۔ تاہم امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب شفا شریف میں قرآن حکیم سے بھی دلیل پیش کی ہے جس سے اس قسم کے وہم کا مکمل ازالہ ہو جاتا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

(قَدِ استدلّ بعض — بعض ائمہ نے انبیائے کرام کے

الأئمة على عصمتهم
من الصغائر بالمصير
إلى امتثال أفعالهم)
أي الأنبياء (واتباع
آثارهم وسيرهم) أي
أحوالهم، وأقوالهم
(مطلقاً) من غير قيد
أن تقع أفعالهم و
أقوالهم قصداً - كما
قال تعالى " أُولٰئِكَ
الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ
اقْتَدِهْ " وقال " قُلْ
إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ
فَاتَّبِعُوْنِيْ " (١)

صغائر سے معصوم ہونے پر یہ استدلال
کیا ہے کہ ان کے اقوال و افعال و
احوال کی پیروی کا مطلقاً حکم دیا گیا
ہے اور اس کے لئے یہ قید یا شرط
نہیں ہے کہ ان سے قصداً یہ امور
واقع ہوں (جبھی ان کی پیروی کیجائے)
جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد
ہے " یہ (انبیاء) ہیں جن کو اللہ
نے ہدایت دی، تو تم انہیں کی راہ
چلو" (۹۰ س انعام ۶) نیز ارشادِ
باری ہے " اے محبوب تم فرمادو، اگر تم
اللہ کو دوست رکھتے ہو
تو میری پیروی کرو "
(۳۱، آل عمران ۳)

امام سبکی اور امام قاضی عیاض رحمہما اللہ تعالیٰ کے دلائل سے ذہن اس طرف ملتفت ہوتا ہے کہ حضرات انبیائے کرام سے سہواً بھی معصیت کا صدور نہیں ہوسکتا، حالانکہ ائمہ کرام اس بات کے قائل ہیں کہ سہواً معصیت کا صدور ہوسکتا ہے۔

لیکن مجدد اسلام مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کی

(١) ألشفاء وشرح الشفاء ص ٢٥٩، ٢٦٠ ج ٢ -

تصریحات سے ۔ جو مذکور ہو چکی ہیں ۔ یہ عیاں ہے کہ واقعۃً سہو سے جو کام سرزد ہو جائے اس کو گناہ کا کام نہیں کہتے کیونکہ خطا و نسیان بندوں سے معاف ہیں ۔

(۱۱) قبل نبوت معصوم ہونے پر روشن دلیل

انبیائے کرام کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ ان سے گناہوں کا صدور و ظہور تو بڑی بات ہے ، اگر قبل نبوت بھی ان کے اندر کسی غلط کام کا قصد پیدا ہو جائے تو خدائے تعالیٰ اپنے انعام و اکرام کی بارش ان پر یہ نازل فرماتا ہے کہ ان کو اس عمل سے باز رکھنے کی تدبیر فرماتا ہے ۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ۔ مدارج النبوۃ ، میں اسی قسم کے دو واقعات کا تذکرہ کیا ہے ، وہ فرماتے ہیں :

” امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا بیان ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے زمانۂ جاہلیت کے کاموں میں سے کسی بھی کام کا کسی بھی وقت اور کسی بھی حال میں سوائے دو مرتبہ کے ارادہ نہ کیا ، لیکن ہر مرتبہ میرے پروردگار نے اپنے فضل و کرم سے مجھے ان کاموں سے باز رکھا اور اس کی عصمت و حفاظت میرے اور اُس چیز کے درمیان ۔ جس کا میں نے ارادہ کیا ۔ حائل ہو گئی پھر میں نے اس وقت سے اس طرح کی کسی بھی چیز کا ارادہ نہ کیا ، یہانتک کہ مجھے خدائے تعالیٰ نے اپنی رسالت سے سرفراز فرمایا ۔

اتفاق کی بات ، کہ میں نے ایک شب قریش کے ایک غلام سے

جو میرے ساتھ مکہ کی بلندیوں پر بکریاں چرایا کرتا تھا۔ یہ کہا کہ اگر تو میری بکریوں کی نگہبانی کرے تو میں مکہ جا کر کہانی سنوں، اور سناؤں جیسا کہ مکہ کے دوسرے جوان سنتے، سناتے ہیں۔ (وہ راضی ہو گیا) پھر تو میں چراگاہ چھوڑ کر مکہ آیا، وہاں ایک گھر میں گیا تو لوگ گانے بجانے کے آلات بجا بجا کر گا رہے تھے اور لہو ولعب میں مصروف تھے، میں وہاں بیٹھ کر دیکھنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نیند مسلّط فرمادی اور مجھے اس وقت بیدار فرمایا جب سورج نکل آیا اور دھوپ میرے سر پر پڑنے لگی۔

ایک دوسری رات پھر یہی ماجرا ہوا، اور مجھے نیند آگئی تو دن نکلنے پر بیدار ہوا، اس کے بعد پھر کبھی بھی میں نے کسی بدی کا ارادہ نہ کیا، یہاں تک کہ میرے پروردگار نے مجھے رسالت سے شرفیاب کیا۔" (۱)

دو نکات

(۱) اس موقع پر یہاں یہ نکتہ لطیف فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ کوئی گناہ کا کام فی الواقع اس وقت عملِ شر بنتا ہے جب اس کا انجام دینے والا اپنی عمر کی اُس منزل کو پہنچ چکا ہو جہاں شعور و احساس کی دولت سے مالامال قرار دیا جاتا ہو، اور احکام و شرائع کی ذمہ داریاں اس کے سر ڈالی جاتی ہوں۔ لیکن اگر کوئی طفلِ نابالغ ہو، اور اس سے کسی گناہ کا صدور نہ ہو، بلکہ طبیعت کے اندر رجحان پیدا ہو گیا ہو کہ وہ کسی بُرے کام کا

(۱) مدارج النبوۃ ص ۱۲۸۵ باب سوم در بیان فضل وشرافت۔

تماشہ بیں ہو جائے تو ایسے بچے کو معصیت کار نہیں کہا جا سکتا، اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے ذنب کا صدور ہوا۔ حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کی طرف جن چیزوں کے قصد کا انتساب کیا ہے وہ در حقیقت عالمِ طفولیت کی بات ہے جب کہ آپ مکہ کی وادیوں میں بکریاں چرایا کرتے تھے، ایسے عالم میں اگر آپ کی طبیعت کے اندر آلاتِ لہو و لعب کی تماشہ بینی کا قصد پیدا ہوا، اور اس سے بھی عصمتِ الٰہی نے آپ کی حفاظت فرمائی تو در حقیقت یہ کوئی بدی کا قصد نہیں ہے، صرف الفاظ کی تعبیر سے بدی کا قصد معلوم ہوتا ہے۔

(۲) پھر یہاں یہ نکتہ بھی پیش نظر رہے کہ گانا بجانا، آلاتِ لہو و لعب اس وقت معصیت بنتے ہیں جبکہ شرعاً ان کو ممنوع قرار دے دیا جائے، ظاہر ہے کہ جب ابھی تک شریعت کا ہی ورود نہ ہوا تھا تو در حقیقت یہ امور معصیت ہی نہ تھے کہ ان کے قصد کو بدی کا قصد کہا جائے۔ حضرت قاضی عیاض اور علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نکتہ کی صراحت کی ہے، چنانچہ شفار شریف اور اس کی شرح میں ہے:

(المعاصی والنواھی إنما تکون) فی حیز المنع (بعد تقرر الشرع) أی ثبوتہ من الأصل والفرع (وقد اختلف الناس فی حالِ

معاصی اور ممنوعات، شریعت کے اپنے اصل و فرع کے ساتھ ثبوت کے بعد ہی ممنوع قرار پاتے ہیں۔ اور ہمارے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے متعلق علمار کا اس

نبينا عليه الصّلاةُ والسّلام قبل أن يُوحىٰ إليه ، هل كان متبعًا لشرعٍ قبله أم لا ، فقال جماعة لم يكن متبعا لشیء) أی لشرعٍ (وهذا قول الجمهور ، فالمعاصی علیٰ هذا القول غیر موجودة ولا معتبرة فی حقهٖ حینئذٍ إذ الأحکام الشرعیة) من الوجوب والمندوب ، والحرام والمکروه (إنما تتعلق بالاوامر والنواهی و تقریر الشریعة) أی بأصولها وفروعها کماھی ام - (۱)

مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سرکار بعثت اور وحی سے پہلے کسی شریعت کے پیرو تھے ، یا نہیں ، ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ کسی شریعت کے پیرو نہیں تھے - اور یہی جمہور کا قول ہے تو اس قول کی بنا پر سرکار کے حق میں بعثت اور زمانۂ وحی سے پہلے کسی شریعت کا وجود اور اعتبار ہی نہیں اس لئے کہ واجب ، مندوب ، حرام ، مکروہ جتنے بھی شرعی احکام ہیں ان کا وجود خدا کے امر ونہی اور شریعت کے ثبوت و اثبات پر موقوف ہے (اور وحی سے پہلے امر و نہی اور شریعت کا ثبوت ہی نہیں ، تو معاصی کا وجود بھی متصور نہیں)

امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی اپنے مختصر اور جامع الفاظ میں اس کی وضاحت فرمائی ہے - الفاظ یہ ہیں :

(۱) الشفاء وشرح الشفاء ص ۲۶۳ ج ۲ فصلٌ فی عصمتهم من المعاصی قبل النبوة -

"جسے ذنب فرمایا گیا ہرگز حقیقۃً ذنب بمعنی گناہ نہیں، ماتقدم "
سے کیا مراد لیا ؟ وحی اترنے سے پیشتر کے، اور گناہ کسے کہتے
ہیں، مخالفتِ فرمان کو، اور فرمان کاہے سے معلوم ہوگا، وحی سے
توجب تک وحی نہ اتری تھی ، فرمان کہاں تھا ؟ جب فرمان
نہ تھا، مخالفتِ فرمان کے کیا معنی، اور جب مخالفتِ فرمان نہیں
تو گناہ کیا ؟ " (۱)

منصب رسالت و نبوت کی عظمت و رفعت اگر ذہن سے اوجھل
نہ ہو توان دلائل کو دیکھنے کے بعد ایک مومن ضرور یہ پکار اٹھے گا کہ بلا شبہ
یہ نفوس قدسیہ ہر معصیت کی آلودگی سے پاک و منزہ بلکہ معصوم تھے
کہ شرعاً ان سے اس کا صدور ممکن ہی نہیں۔ ہاں اگر کوئی اس منصب
رفیع کی عظمت سے صرف نظر کرکے محض بحث و کلام ہی پر اتر آئے
تو اسی مسئلہ پر کیا موقوف ہے بہت سے بے باکوں نے خدا کی سبوحی
و قدوسی میں بھی اپنے لئے بہت کچھ کلام کے دروازے کھول لئے ہیں
والعیاذ باللہ وحفظنا والمسلمین من کل فتنہ وشیٔ وبلاء۔

اس موقع سے یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ امام رازی اور دوسرے
ائمہ نے کیوں اتنی دقیقہ سنجی کے ساتھ انبیائے کرام کی عصمت پر دلائل
پیش کئے ہیں، اس عصمت کا سرکار کی حیات طیبہ کے ساتھ کیا ربط ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ اگر انبیائے کرام سے عصمت کا لازمہ

---

(۱) فتاوی رضویہ ص ۵، ج ۹۔

الگ کر لیا جائے تو ان کی زندگیٔ پاک کا ہر شعبہ متاثر ہوتا نظر آئے گا، اور ان کی زندگی بنی نوعِ انسان کے لیئے قابل تقلید نہ ہو گی۔ انبیائے کرام زندگی کے تمام میدانوں میں انسانوں کو ہدایت و رہبری کا سبق دیتے ہیں پھر اگر ان سے ہی ہدایت کے بجائے ضلالت نیکی کے بجائے بدی کا صدور ہو تو وہ انسانوں کے لیئے ہدایت کا کام کیسے انجام دے سکتے ہیں اور ان کی زندگیٔ پاک کیسے قابلِ تقلید ہو گی، اس وجہ سے محققین اسلام تمام صغائر سے بھی انبیاء کی عصمت پر دلائل پیش کرتے ہیں۔

امکان صغیرہ کے دلائل کا جائزہ

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے علمائے امت کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ ایک طبقہ انبیائے کرام سے گناہ صغیرہ کے صدور کو ممکن قرار دیتا ہے، اور عامۂ محققین اسے بھی ناممکن اور محال گردانتے ہیں جن کے دلائل کا مشاہدۂ جمال آپ گزشتہ اوراق میں کر چکے۔ لیکن جو علماء امکان کے قائل ہیں ان کے دلائل قرآن حکیم کی وہ آیات اور احادیث نبویہ ہیں جن میں بعض انبیاء اور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کی طرف عصیان یا ذنب اور غفران کی نسبت کی گئی ہے۔

اب ہم ذیل میں ان علمائے کرام کے دلائل کا قدرے تفصیلی جائزہ لیتے ہیں جس سے بخوبی اندازہ ہو گا کہ اس باب میں کون سا مذہب قوی ہے، جس میں دقتِ نظر اور تحقیق کا حق ادا کیا گیا ہے۔

قائلین صغیرہ کے قرآنی دلائل

قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

• فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ (۱)

تو اے محبوب تم صبر کرو، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے ذنب کی مغفرت چاہو۔

• فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (۲)

تو جان لو کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں، اور اے محبوب اپنے اور عام مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے ''ذنب کی مغفرت'' چاہو۔

• اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (۳)

بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی تاکہ اللہ تمہارے سبب تمہارے اگلے پچھلے ''ذنب کی مغفرت'' فرمادے۔

قرآن حکیم نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول نقل کیا :

• وَلَھُمْ عَلَیَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۔ (۴)

قوم فرعون کا مجھ پر ایک ''ذنب'' ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کردیں گے۔

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے متعلق فرمایا گیا :

• وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ (۵)

اور آدم نے اپنے رب کی ''معصیت'' کی

(۱) اَلقرآن الحکیم۔ اٰیۃ ۵۵ ۔ س المومن ۴۰

(۲) اَلقرآن الحکیم۔ اٰیۃ ۱۹ س محمد ۴۷ ۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

(۳) اَلقرآن الحکیم اٰیۃ ۱،۲ س الفتح ۴۸

(۴) اَلقرآن الحکیم اٰیۃ ۱۴ س الشعراء ۔ ۲۶

(۵) اَلقرآن الحکیم اٰیۃ ۱۲۱ س طٰہٰ ۲۰

پہلی دو آیتوں میں حضور سید کائنات، فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے اپنے "ذنب کی مغفرت" کے لئے دعا کریں اور تیسری آیت میں آپ کو خدائے کریم نے "مغفرتِ ذنب" کی بشارت دی ہے اور ظاہر ہے کہ "ذنب" کا معنی "گناہ" ہوتا ہے اور "مغفرت" گناہ کی معافی و بخشش کو کہتے ہیں۔

چوتھی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف اسی "ذنب" یعنی گناہ کی نسبت ہے اور پانچویں آیت کا تعلق اس کائناتِ رنگ و بو کے سب سے پہلے نبی، ابو البشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے آپ کی طرف "عصیان" کو منسوب کیا گیا ہے جو "گناہ" کا ہم معنیٰ ہے۔

ان آیات کریمہ سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام سے گناہ صغیرہ کا صدور ممکن ہے، بلکہ ان حضرات سے بتقاضائے بشری یہ گناہ سرزد بھی ہوا۔

دلائل کا جائزہ

ان دلائل کی بنیاد اس امر پر ہے کہ "ذنب" کا معنی "گناہ" اور "مغفرت" کا معنی "بخششِ گناہ" ہے حالانکہ یہ الفاظ ان معانی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دوسرے معانی میں بھی ان کا استعمال ہوتا ہے اور آخری دلیل سے استناد اس بات پر موقوف ہے کہ جس امر کو "عصیان" کہا گیا ہے وہ قصداً کیا گیا ہو۔ حالانکہ قرآن حکیم نے عرف میں یہ لفظ قصد کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ ہم آگے چل کر اس پر روشنی ڈالیں گے۔

اب ہم مزید وضاحت کے لئے سب سے پہلے عربی زبان کی مستند ومتداول لغات سے " ذنب " اور " غفران " کے معانی بیان کرتے ہیں :

ذنب کا معنیٰ

" ذنب " کا اصل معنی ہے پیچھے لگنا، لاحق ہونا، آخر میں ہونا ــــــ اور یہ معنی اس مادے کے تمام کلمات میں کسی نہ کسی مناسبت سے پایا جاتا ہے، مثال کے طور پر چند کلمات ملاحظہ ہوں۔

ذَنَبَهُ ذَنْبًا ــ تبعه فلم يغادر اثره ــ پیچھے لگا رہا۔

ذَنَبَ ــ الضَّبُّ: اَخْرَجَ ذَنَبَهُ ــ گوہ نے دم باہر نکالی۔

الجرادُ: غَرَزَ ذَنَبَهُ لِيَبِيضَ ــ ٹڈی نے انڈے دینے کیلئے دم کو زمین میں چبھویا۔

تَذَانَبَ السَّحَابُ وَغَيْرُهُ: تبع بعضُه بعضًا ــ بادل ایک دوسرے کے پیچھے ہوئے۔

إِسْتَذْنَبَ ــ الأمرُ، تَمَّ ــ کامل ہوا۔

الذِنَابُ ــ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ: عَقِبُهُ وَمُؤَخِّرُهُ ــ ہر چیز کا پچھلا حصہ۔

اَذْنَابُ النَّاسِ: أراذِلُهُم وسِفلتُهم (۱) ــ پچھڑے درجہ کے لوگ۔

---

(۱) المجمع الوسیط ص ۳۱۶ ولسان العرب ص ۳۸۹، ۳۹۳ ج ۱

الذَّنُوبُ : القبرُ، ولحم المتن والأَلْيَة ۔	قبر، پشت یا چکتی کا گوشت ۔
المُذانِب ۔ من الإبل : الذی یکون فی آخرِ الإبلِ ۔	سب سے پیچھے چلنے والا اونٹ
الذُّنابة : الذنب الطّویل[1]	لمبی دُم ۔
تَذَنَّبَ المُعتَمُّ : أی ذَنَّبَ عِمامَتَهٗ وَذٰلِكَ إذا أفضلَ منہا شَیْئًا، فَأَرخاہُ کالذَّنَبِ[2]	عمامہ کا شملہ لٹکایا ۔

اسی مناسبت سے تَبِعَة کو بھی " ذنب " کہا جاتا ہے ۔ تَبِعَة کا معنی ہے، انجامِ کار ، اثر جو کام پر مرتب ہو ۔ کہ کام کا اثر یا انجام اس کے آخر میں مرتب ہوتا ہے ۔ اس کا ایک معنی " الزام " بھی ہے جو کسی کام کے نتیجہ میں لگے ۔

ماہر لغات القرآن امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

وَالذَّنبُ : فی الأصل الأخذُ بذَنَبِ الشئ ، یقال ذَنَبْتُهٗ : أَصَبتُ ذَنَبَهٗ ، ویُستعمل فی کل فعلٍ یُستوخم عقباہ إعتبارًا بذَنَبِ الشئ ، و	" ذنب " کا اصل معنی " پیچھے لگنا " ہے، کہا جاتا ہے ذَنَبْتُهٗ میں اس کے پیچھے لگا، اور اسی معنی کے لحاظ سے اس کا استعمال ہر اُس کام میں ہوتا ہے جس کا انجام بُرا ہو کہ کام کا انجام

(۱) القاموس المحیط ص ۷۱ ج ۱ ۔ لسان العرب ص ۳۸۹، ۳۹۲ ج ۱ ۔

(۲) لسان العرب ص ۳۹۰ ج ۱ ۔

لهذا يُسمّىٰ الذَّنْبُ تَبِعَةً إعتباراً لِما يحصل من عاقبته - (۱)	اس کے پیچھے ہی ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ذنب کو تَبِعَة کہا جاتا ہے کہ یہ شی کے بعد یا آخر میں حاصل ہوتا ہے۔

المعجم الوسیط میں ہے۔

أَلتَّبِعَةُ: تِباعَةُ الأَمْرِ، عاقبتُهُ، ومايترتّبُ عليه مِنْ أثَرٍ - (۲)	تَبِعَة کا معنی ہے کام کا نتیجہ، انجام کار، کوئی بھی اثر جو شی پر مرتب ہو۔

"مَايترتبُ عليه من أثَرٍ" کے عموم میں "خلافِ اولیٰ" بھی شامل ہے۔

قال الازهريُّ ؏: أَلتَّبِعَةُ والتِّباعةُ إسم الشئ الّذى لك فيه بُغيةٌ شِبهُ ظُلامةٍ	ازہری نے کہا تبِعۃ اور تباعۃ اس چیز کا نام ہے جس میں تمہارا کوئی مطلوب اس چیز کے مشابہ ہو جو تم سے ظلماً لی گئی ہو۔

(۱) أَلمفردات فى غريب القرآن ص ۱۰۸ ۔

(۲) أَلمعجم الوسيط ص ۸۱ ۔

؏ (قال الازهرى) هوالإمام اللغوى أبومنصور محمد بن أحمد بن الأزهر الهروى صاحب تهذيب اللغة وغيرذلك مات سنة سبعين وثلاث مائة اھ	"ازہری" یہ لغت کے امام تہذیب اللغت وغیرہ کے مصنف ابومنصور محمد بن احمد بن ازہر ہروی ہیں، ۳۷۰ھ میں ان کا وصال ہوا۔

(شفاء وشرح شفاء ص ۲۰۶ ج ۲)

۱۲ ن رضوی

وَنحوُ ذلك ۔ (۱)   اور اس طرح کی کوئی بھی چیز ۔

اس عبارت سے عیاں ہوتا ہے کہ تَبِعَة کے مفہوم عام میں "الزام" کا معنی بھی شامل ہے کہ "الزام" بھی ایک ایسی ہی چیز ہے جس میں الزام لگانے والے کا کوئی مطلوب ومرغوب ہوتا ہے اور اس کے خیال میں اس پر مُلزَم کی طرف سے کوئی زیادتی ہوتی ہے خواہ واقع میں زیادتی ہو، یا نہ ہو ۔

"ذَنب" کا ایک معنی گناہ بھی ہے کہ یہ بُرے کام پر مرتب ہونے والا ایک اثر ہے جو کام کے پیچھے اس کے مرتکب کو لاحق ہوتا ہے ویُستعمل فی کل فعلٍ یُستوخم عُقباہ إعتباراً بذَنبِ الشئ ۔ (المفردات) تو معنیٔ اصلی کی مناسبت یہاں بھی موجود ہے ۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ذنب کا لفظ عربی زبان میں "گناہ" کے معنی میں ہی محصور نہیں، بلکہ اس کے دوسرے معانی بھی ہیں ۔ مثلاً :

(۱) پیچھے لگنا، آخر میں ہونا ۔ یہی اس لفظ کا معنیٔ اصلی ہے ۔

(۲) ہر وہ کام جس کا انجام مُضر یا بُرا ہو، اس معنی کا ایک فرد "گناہ" بھی ہے ۔

(۳) کوئی بھی اثر جو شئی پر مرتب ہو، اس کے عموم میں "ترکِ اولیٰ" شکر میں کمی، وغیرہ داخل ہیں ۔

(۴) الزام، سہو، نسیان وغیرہ ۔

اِستِغفار کا معنی

"اِستِغفار" کا مادہ "غَفرٌ" ہے اس کا معنی ہے چھپانا، ڈھانکنا،

---

(۱) لسان العرب، ص ۳۰ ج ۸

آڑ بن جانا۔ اور یہ معنی اس مادہ کے عامۃ مشتقات میں یک گونہ مناسبت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر چند کلمات ملاحظہ ہوں:

غَفَرَ الشَّيْبَ بِالْخِضَابِ: غَطَّاهُ۔	سفید بالوں کو خضاب سے چھپایا۔
غَفَرَ الْمَتَاعَ فِي الْوِعَاءِ: أَدْخَلَه فِيه وَسَتَرَه۔	متاع کو برتن میں ڈال کر چھپا دیا۔
غَفَرَ اللهُ لَهُ ذَنْبَهُ: سَتَرَهُ وعفا عنه۔	اللہ تعالیٰ نے گناہ کو چھپا دیا، معاف کر دیا۔
أَلْغُفْرَةُ: مَا يُغَطِّىٰ بِهِ الشَّيْءُ۔	ڈھکنا، سرپوش۔
أَلْمِغْفَرُ۔ زرد يُنسج من الدروع على قدر الرأس، يلبس تحت القَلَنْسُوَةِ۔	سر کے برابر بُنی ہوئی زرہ، خود جسے ٹوپی کے نیچے پہنا جاتا ہے۔
الغفر: البطن۔	پیٹ، ہر چیز کا اندرونی حصہ۔
غِفَارَةٌ۔ خِرْقَةٌ تلبسها المرأة فتغطي رأسها، ما قبل منه وما دبر غير وسطه، و	کپڑے کا ٹکڑا جس سے عورت اپنا سر بیچ کا حصہ چھوڑ کر آگے پیچھے سے ڈھک لیتی ہے۔
ألسحابة فوق السحابة(۱)	بدلی کے اوپر بدلی۔

قرآن حکیم کی لغت المفردات میں ہے:

اَلْغُفْرُ: إلباس ما يصونه عن الدنس، ومنه ما قيل:	غَفْرٌ کا معنی ہے شئی کو ایسی چیز سے چھپا دینا جو اسے میل کچیل سے بچائے،

(۱) ألمعجم الوسيط ص ۶۵۶، ألقاموس المحيط ص ۱۰۶-۱۰۷ ج ۲۔

إغفر ثوبك في الوعاء و اصبغ ثوبك فإنه أغفر للوسخ ۔

کہا جاتا ہے إغفر ثوبك اپنے کپڑے کو برتن میں چھپا دو، اور اپنے کپڑے کو رنگ دو کہ یہ میل کو زیادہ چھپانے والا ہے ۔

والغفرانُ والمغفرةُ من الله هو أن يصون العبد من أن يمسه العذابُ

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے "غفران" و "مغفرة" یہ ہے کہ بندے کو عذاب سے بچائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

...... والإستغفارُ طلبُ ذلك بالمقالِ والفعالِ، .... وقيل: إغفِروا هذا الأمر بغفرته، أي استروه بما يجب أن يستر به،

...... اور "استغفار" قول یا فعل کے ذریعہ عذاب سے حفاظت کی طلب ہے ...... کہا جاتا ہے إغفروا هذا الأمر بغفرته ۔ اس کو مناسب طریقہ سے چھپا دو ۔

والمِغفَر: بيضة الحديد ۔

مغفر: لوہے کا خود ۔

والغفارة: خرقة تستر الخمار أن يمسه دهن الرأس

غفارة: چیتھڑا جو اوڑھنی کو سر کے تیل وغیرہ سے بچاتا ہے ۔

...... وسحابة فوق سحابة ۔

بدلی کے اوپر بدلی (١)

یہاں سے معلوم ہوا کہ غفر اور غفران کا اصل معنیٰ ہے چھپانا، ڈھانکنا، آڑ بن جانا ــــ "گناہ بخش دینا" بھی گناہ کو چھپانا ہے

(١) ألمفردات في غريب القرآن ص ٣٦٢ ۔

اس مناسبت سے یہ بھی غُفران کہا جاتا ہے۔ اور اسی کی طلب کا نام اِستِغفار ہے۔

اس معنی کے لحاظ سے غُفران و استغفار کے لئے "گناہ" ہونا لازم نہیں۔ گناہ کے ارتکاب میں آڑے آنا، اور رکاوٹ ڈالنا بھی غفران کے مفہوم میں داخل ہے۔

نیز اس کا معنی ہے "عذاب سے بچانا، عذاب سے حفاظت کی طلب" اور اس کے لئے بھی گناہ لازم نہیں، کہ گناہ ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں عذاب سے حفاظت ہو سکتی ہے۔

عربی لغات کی ان تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ ذنب اور غُفران کا لفظ "گناہ" اور "بخششِ گناہ" کے معنی میں محصور نہیں، لہذا ان الفاظ کا سہارا لے کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف "گناہ" کا انتساب جائز نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور مفسرین نے مذکورہ بالا آیات میں ذنب کے معنئ اصلی کی مناسبت سے کچھ دوسرے معانی مراد لئے، یا "گناہ" مراد لینے کی صورت میں دوسری توجیہات فرمائیں، جو ہدیۂ ناظرین ہیں۔

آیاتِ ذنب کی تفسیر

یوں تو ان آیات کی بہت طرح سے تفسیر کی گئی ہے لیکن ہم یہاں ان تفاسیر کا محض ایک انتخاب پیش کرتے ہیں جن سے حق واضح ہو کر سورج کی طرح عیاں ہو جائے گا۔ ہم نے تفاسیر کا یہ انتخاب چار اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

پہلی قسم ۔ ذنب سے گناہ کے علاوہ کوئی دوسرا معنی مراد ہے۔

دوسری قسم ۔ "استغفار" کا لفظ "معافیٔ گناہ کی طلب" کے معنی میں ہیں۔

تیسری قسم ۔ "ذنب وغفران" گناہ اور معافیٔ گناہ کے معنی میں ہیں لیکن سرکار علیہ التحیۃ والثناء کی طرف نسبت مجازی ہے۔

چوتھی قسم ۔ نسبت بھی حقیقی ہے، لیکن یہاں رمز کچھ اور ہی ہے۔

اب ہر قسم کی قدرے تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

تفسیر کی پہلی قسم

آیاتِ کریمہ میں "ذنب" "گناہ" کے معنی میں نہیں، بلکہ اس سے دوسرے معانی مراد ہیں۔ جو ذنب کے معنیٔ اصلی سے خاصی مناسبت رکھتے ہیں۔ مثلاً: ترکِ اولیٰ، شکر میں کمی، پست مقام، الزام، لغزش

(۱) ترکِ اولیٰ

"ذنب" سے مراد ترکِ اولیٰ ہے جو ذنب کے ایک معنی "مُرتب شدہ اثر" کا فرد ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

ترکِ اولیٰ کے دو معنی ہیں:

ایک یہ کہ جو بات واقع میں زیادہ بہتر اور مناسب ہو اسے چھوڑ دینا۔

یہ چھوڑنا ناجائز یا گناہ نہیں ہوتا، بلکہ درحقیقت جائز اور حلال ہوتا ہے مگر وہ پسندیدہ و خوب تر نہیں ہوتا۔ جیسے فجر کی نماز روشن کرکے پڑھنا بھی جائز ہے اور اوّلِ وقت میں اندھیرے میں پڑھنا بھی جائز ہے، دونوں ہی مباح و روا ہیں، لیکن اولیٰ روشن کرکے پڑھنا ہے تو اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھنا گناہ نہیں، مگر یہ

ترکِ اَولیٰ ہے۔ یونہی گرمیوں کے موسم میں ظہر کی نماز زوال کے بعد دھوپ کی شدید تپش کے وقت میں بھی پڑھنا جائز ہے اور ٹھنڈا کر کے پڑھنا بھی جائز ہے دونوں ہی صورتیں شرعاً مباح ہیں، لیکن مستحب یہ ہے کہ جب دھوپ کی تپش کم ہو کر وقت ٹھنڈا ہو جائے تب اطمینانِ قلب کے ساتھ نماز ادا کی جائے، تو اس کے پیش نظر دھوپ کی شدت کے وقت میں نماز پڑھنا ترکِ اولیٰ ہوا مگر یہاں گناہ کا قطعی کوئی تصور نہیں۔

اب اگر رسول اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی بیانِ جواز کیلئے، یا اور کسی وجہ سے فجر کی نماز اوّلِ وقت میں اندھیرے میں پڑھ لی، یا ظہر کی نماز گرمیوں کے موسم میں دھوپ کے شباب کے وقت میں ادا فرمائی تو یہ ترکِ اَولیٰ ہوا جو گناہ تو نہیں، مگر بظاہر خوبتر بھی نہیں۔

"بظاہر" اس لئے کہہ رہا ہوں کہ سرکار علیہ التحیۃ والثنا نے بیانِ جواز کے لئے اس طرح کے جو کام کئے ہیں وہ فی الواقع اَولیٰ سے بھی زیادہ پسندیدہ اور اہم ہیں کیونکہ اگر آپ نے وہ کام انجام نہ دیئے ہوتے تو امت کو ان کے جواز کا حکم شرعی معلوم نہ ہوا ہوتا، اور بیانِ حکم عین منصب نبوت کا تقاضا ہے۔

اور اگر آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے کسی "حاجت" کی وجہ سے اَولیٰ کے خلاف کوئی کام کیا تو در حقیقت وہ بھی خلافِ اولیٰ نہیں کہ بوجہِ حاجت اب وہی اَولیٰ ہو گیا۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ گو کہ کوئی کام اپنے اصلِ حکم کے لحاظ سے اَولیٰ کے خلاف ہو لیکن اگر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صادر ہو تو اس پر ترکِ اولیٰ کا اطلاق صرف آپ کے مرتبۂ بلند کے لحاظ سے ہوگا، نہ یہ کہ

واقع میں وہ ترکِ اولیٰ ہے۔ اور اسی کو قرآن مقدس اپنے عرف میں ذنب سے موسوم کرتا ہے چنانچہ بہت سے مفسرین کرام اور علمائے فخام نے یہی توجیہ فرمائی۔ مثلاً محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وگفتہ اند کہ مراد بہ "ذنب" ترکِ اولیٰ است، و ترکِ اولیٰ در حقیقت ذنب نیست، زیرا کہ "اولیٰ" و مقابلِ او ہر دو شریک اند در اباحت۔ (۱)	علماء نے کہا ہے کہ ذنب سے مراد "ترکِ اولیٰ" ہے اور ترکِ اولیٰ حقیقت میں گناہ نہیں، کیونکہ "اولیٰ" اور "غیر اولیٰ" دونوں مباح ہونے میں یکساں ہیں۔

امام فخر الدین رازی شافعی رقمطراز ہیں:

وَالطَّاعنون فی عصمۃ الانبیاء علیھم السلام یتمسکون بہ، و نحن نحملہ علی التوبۃ عن ترک الأولیٰ والأفضل اھ (۲)	انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی عصمت پر طعن کرنے والے آیۂ کریمہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ سے استدلال کرتے ہیں اور ہم لوگ اسے "ترکِ اولیٰ و خلافِ افضل سے توبہ" پر محمول کرتے ہیں۔

امام ابو البرکات نسفی حنفی کا کلام بھی اسی کا شاہد ہے، وہ فرماتے ہیں:

وفی شرح التاویلات: جاز أن یکون لہ ذنب	شرح تاویلات میں ہے کہ نبی سے ذنب صادر ہو سکتا ہے اس لئے

---

(۱) مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۸۶ باب سوم در ذکر فضل و شرافت۔

(۲) التفسیر الکبیر ص ۷۸، ۷۹ ج ۲۷ - ایضاً ص ۸۰ ج ۲۸ -

فأمره بالاستغفار له، ولكنا لانعلمه غير أن ذنب الأنبياء ترك الأفضل دون مباشرة القبيح۔ وذنوبنا مباشرة القبائح من الصغائر والكبائر اه (۱)

اللہ تعالٰی نے آپ کو استغفار کا حکم دیا، لیکن ہمیں نبی کے ذنب کا علم نہیں، سوائے اس کے کہ انبیاء کا ذنب ترکِ افضل ہے، نہ کہ قبیح کا ارتکاب، اور ہمارے ذنب قبائحِ صغائر و کبائر کا ارتکاب ہیں۔

ترکِ اَوْلیٰ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کام تو اپنی حقیقت کے لحاظ سے بہتر اور پسندیدہ ہی ہے مگر وہ فاعل کے شایانِ شان نہیں، یعنی اس کے بلند رتبے کے پیشِ نظر وہ بہتر یا پسندیدہ نہیں۔ جیسے شہنشاہِ وقت سے کسی محتاج بینوا نے کوئی سوال کیا تو اس نے دستِ شہنشہی سے دو روپے کے نوٹ اسے عطا کر دیئے، ظاہر ہے کہ یہ عطیہ بجائے خود ایک جائز امر ہے بلکہ باعثِ اجر و ثواب بھی ہے، لیکن ایک شہنشاہ کی عظمتِ شان کے لحاظ سے اتنا حقیر عطیہ ہرگز مناسب نہیں کہا جا سکتا، تو گو کہ حقیقت کے لحاظ سے یہ ایک مستحسن کام تھا مگر رتبے کی عظمت کے پیشِ نظر وہی ترکِ اولیٰ ہو گیا، یعنی ایک ہی چیز صرف اعتبار کے فرق سے خوب بھی رہی اور ناخوب بھی۔

(۱) تفسیر مدارک التنزیل (مع الخازن وغیرہ) ص ۵۰۸ ج ۵۔ وکذا فی البیضاوی، والخازن (مع المدارک وغیرہ) ص ۱۵۱ ج ۵۔ وروح البیان ص ۱۱ ج ۲۶۔ والصاوی حاشیۃ الجلالین ص ۹۰ ج ۴۔

علاوہ ازیں فرض کیجئے ایک بادشاہ کے ایک خواب کی تعبیر اس کے کسی "مقربِ خاص" نے یہ بیان کی کہ بادشاہ کی تمام اولاد اس کی حیات میں ہی فوت ہو جائے گی، اور ٹھیک یہی تعبیر، ٹھیک انھیں الفاظ میں خواب کے ایک دوسرے حقیقت شناس مگر "عام آدمی" نے بھی بتائی۔ اور انھیں کے ساتھ ایک تیسرے ماہرِ خواب کا جواب ان الفاظ میں تھا کہ:

"بادشاہ کی حیات اپنی اولاد و احفاد سے زیادہ ہوگی"

دیکھئے! تینوں نے خواب کی ایک ہی مراد بتائی، اور صحیح بتائی۔ مگر ان کے مابین فرق ظاہر ہے، پہلے کے دو کلام بادشاہ کی عظمتِ شان کے مناسب نہیں، اور آخری کلام بلاشبہ اس کے شایانِ شان ہے۔ اس لئے بادشاہ نے تیسرے کو انعام و اکرام سے نوازا، اجنبی کو صرف تبسم آمیز کلمات سے سراہا، مگر اپنے مقربِ خاص پر نگہ عتاب فرمائی۔ کیا ان جوابوں میں کوئی لفظ بے ادبی کا تھا جس پر قانون کی نگاہ میں فردِ جرم عائد ہوتا ہو، یا قابلِ مواخذہ ہو ــــ؟ ایسا ہرگز نہیں، ہر لفظ اپنی جگہ بجا ہے، جرم کے شائبہ سے بھی پاک ہے، مگر ہے یہ کہ بادشاہ کے مرتبۂ بلند کی طرف تنظر کرتے ہوئے کوئی جملہ پیارا بہت ہے، اور کوئی اس سے فروتر ہے۔ اب اگر ایسا فروتر اور غیر شایانِ شان جملہ کسی عام رعایا سے صادر ہو تو کوئی بات نہیں، بلکہ درستگی کی وجہ سے قابلِ ستائش ہے، لیکن ایک مقرب خاص سے ایسے جملے کا صدور تعجب کی بات ہے کیونکہ وہ حریم شاہی کے آداب سے خوب خوب واقف ہے تو اس کے حق میں یہ جملہ بھی ادب کے زیور سے عاری اور قابلِ عتاب ہے۔ دیکھ رہے ہیں آپ! ایک ہی جملہ قابلِ ستائش بھی ہے،

اور قابلِ عتاب بھی۔ کیونکہ ایک عامی اور ایک مقرب کے مابین بڑا تفاوت ہے۔

بلاتشبیہ و تمثیل اب سمجھئے کہ عام طور سے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنے امور کو شایانِ شان ہی انجام دیتے ہیں لیکن اگر کبھی کسی بنا برآں ان سے اس کے خلاف کوئی امر صادر ہو جاتا ہے تو وہ اپنے رتبۂ بلند و عظمت شان کے لحاظ سے اسے اپنے حق میں ذنب تصور فرماتے ہیں، کیونکہ آپ حضرات بارگاہِ الٰہی کے "مقربِ خاص" کے اعزاز سے سرفراز ہوتے ہیں، حالانکہ وہی امر صالحین کے حق میں برّ اور نیکی قرار پاتے ہیں۔ بات ایک ہی ہے جو کہیں نیکی سمجھی گئی، اور کہیں ذنب تصوّر کی گئی۔ ؏

نظریں بدل گئیں، تو نظارہ بدل گیا۔

سوال یہ ہے کہ کیا وہ واقعی ذنب ہے؟

ایسا ہرگز نہیں! جو ذنب ہوگا، وہ کبھی نیکی نہ ہوگا۔ اس لئے ہے تو وہ نیکی، مگر انبیائے کرام اسے اپنے شایانِ شان نہ ہونے کی وجہ سے ذنب کی طرح بڑی بات خیال فرماتے ہیں۔ اسی کو کہا جاتا ہے:

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ

ابرار کی نیکیاں، مقربین کیلئے برائی کا درجہ رکھتی ہیں۔

الغرض انبیائے کرام اور حضور سید الانام علیہم الصلاۃ والسلام کے ایسے ہی غیر اولیٰ فعل کو آپ حضرات کے مراتبِ عالیہ کے پیش نظر قرآن حکیم میں ذنب فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ بہت سے مفسرین اور علمائے اعلام

نے یہاں ذنب کی یہی توجیہ فرمائی۔ مثلاً مفسر قرآن علامہ ابو السعود علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

"وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ"،
وهو الذی رُبّما یصدر عنه علیه الصّلوٰة والسّلام مِن ترك الأولیٰ، عبّر عنه بالذّنب، نظراً إلیٰ منصبه الجلیل، کیف لا؟ وحسناتُ الأبرار سیّئات المقربین۔
وإرشادٌ له علیه الصّلوٰة والسّلام إلی التواضع وهضم النفس، واستقصارِ العمل اھ (۱)

"اپنے ذنب کی مغفرت چاہو"
ذنب ترکِ اولیٰ ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی وقت صادر ہو جاتا۔ اسے آپ کے منصبِ جلیل کی طرف نگاہ کرتے ہوئے ذنب سے تعبیر کیا گیا کہ بہت سے کام جو ابرار کیلئے نیکی کا حکم رکھتے ہیں وہ مقربین کیلئے برائی کا درجہ رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تواضع، انکسارِ نفس، اور اپنے عمل کو کم سمجھنے کی ہدایت ہے۔

علامہ آلوسی رقمطراز ہیں:

والذّنبُ بالنسبة إلیه علیه الصلوٰة والسلام ترك ما هو الأولیٰ بمنصبه الجلیل ورُبَّ شیءٍ حسنة من شخص

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کے منصب جلیل کے لحاظ سے افضل کے ترک کا نام ذنب ہے۔

(۱) تفسیر العلامة أبی السعود علیٰ هامش التفسیر الکبیر
ص ۲۳۰ ج ۷۔ أیضاً ص ۲۷ ج ۷۔ أیضاً ص ۶۲۰ ج ۷۔

سَيِّئةٌ من آخر، كما قيل: حسناتُ الأبرار سيئات المقربين۔ (۱)

اور بہت سی چیزیں ہیں جو ایک شخص سے ہوں تو نیکی ہیں اور دوسرے سے ہوں تو برائی ہیں جیسا کہ کہا گیا ،، ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔

اسی کی منظر کشی امام قاضی عیاض مالکی اور علامہ علی قاری عَلَیْھِمَا رَحْمَۃُ الْبَارِی نے اپنے دلنشیں انداز میں اس طرح کی:

(وهي ذنوبٌ بالإضافة إلى عليِّ منصبهم، لا أنها كذنوب غيرهم ..... فإنَّ الذَّنب مأخوذ من الشئ الدَّنِي الرَّذِلِ، ومنه: ذنب كل شئ أي آخره — و أذنابُ الناس: رُذالُهم۔

یہ امور انبیائے کرام کے منصبِ بلند کی طرف نسبت کرتے ہوئے گناہ ہیں، نہ کہ وہ واقع میں دوسروں کے گناہوں کی طرح ہیں .... کیونکہ ذنب کے مفہوم میں حقیر و رذیل کا معنی داخل ہے، اور اسی سے ماخوذ ہے ذَنَبُ کُلِّ شَیْءٍ بمعنی ہر چیز

(۱) تفسیر روح المعانی ص ۵۵ ج ۲۶ ۔ أیضاً ص ۷۷ ج ۲۴ ۔

عہ مثلاً جنت کی لالچ اور دوزخ کے ڈر سے عبادت عام صالحین کے حق میں نیکی ہے مگر مقربین کے حق میں ایسا نہیں، ان کیلئے ضروری یہ ہے کہ ان کی عبادت کا مقصود صرف ذاتِ الٰہی اور رضائے خداوندی ہو، کسی اور نفع کی طمع یا ضرر کا خوف انکے حق میں بہت برا ہے جس پر ان سے سخت مؤاخذہ ہو سکتا ہے کیونکہ جس کی معرفت جتنی کامل و ارفع ہوتی ہے اس کا عمل اور معاملہ اتنا ہی بلند اور سخت ہوتا ہے۔ ۱۲ محمد احمد مصباحی ۔

فكأنّ هذه) الأمور التى تصرفوا فيها (أدنى أفعالهم، وأسوأ ما يجرى من أحوالهم) بالإضافة إلى أعلى مراتب أفعالهم (لتطهيرهم وتنزيههم وعمارة بواطنهم وظواهرهم بالعمل الصالح، والكلِم الطيب، وغيرُهم يتلوّث من الكبائر، والقبائح، بما تكون هذه الهنات) أى العثرات والزلّات (فى حقّه) أى فى حق غيرهم (كالحسنات) بل حسنات إذ ليست فى الحقيقة سيئات، بل طاعات، (كما قيل: حسنات الأبرار سيئات المقرّبين) من الأنبياء والمرسلين (أى يرونها) أى يظنونها

کا پچھلا حصہ ۔ اور اَذْنابُ الناس یعنی رذیل لوگ ۔ تو گویا کہ انبیاء کرام کی یہ لغزشیں ان کی طہارت وپاکیزگی اور عملِ صالح وکلمِ طیب یعنی تسبیح، اذکار، دعار، استغفار، وغیرہ سے ان کے ظاہر و باطن کے معمور ہونے کی وجہ سے ان کے افعال کی عظمت کے پیشِ نظر کم درجہ کے افعال واحوال ہیں ۔

اور انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگ کبائر وقبائح میں آلودہ ہوتے ہیں تو ان معاصی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کے حق میں انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی یہ لغزشیں نیکیوں کی مانند ہیں، بلکہ نیکیاں ہیں، کیونکہ یہاں حقیقت میں معاصی نہیں ہیں بلکہ صرف طاعات ہیں ۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ نیکوں کی نیکیاں مقربینِ بارگاہ یعنی انبیاء ورسل کے معاصی ہیں یعنی یہ نفوسِ قدسیہ

تلك الحسنات (بالإضافة إلى أحوالهم كالسّيئات) وهٰذا كما قيل: كان المقرّبون أشدّ استعظامًا للزّلّةِ الصّغيرة من الأبرار للمعصيّة الكبيرة فبين المقامين بون بيّنٌ اھ مُلخصًا (۱)

ان نیکیوں کو اپنے احوال کی طرف نسبت کرتے ہوئے معاصی کی طرح گمان کرتے ہیں ۔ اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابرار گناہ کبیرہ کو جتنا بڑا سمجھتے تھے حضرات مقربین زلتِ صغیرہ اور معمولی سی لغزش کو اس سے زیادہ عظیم سمجھتے تھے تو دونوں کے مقام میں بڑا تفاوت اور نمایاں فرق ہے ۔

اس تفصیل سے ہمارے قارئین پر یہ بخوبی واضح ہو چکا ہوگا کہ ترکِ اولیٰ کے جو دو اطلاقات گزشتہ سطور میں بیان کئے گئے ہیں وہ عام بندوں کے لحاظ سے ہیں اور انبیائے کرام بالخصوص سیدالانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے لحاظ سے ترکِ اولیٰ کا اطلاق تو صرف ان کے مرتبۂ بلند کے پیش نظر ہوتا ہے ۔

الغرض ذنب کا ایک معنی ترکِ اولیٰ بھی ہے اور قرآن حکیم میں اسی معنی کے لحاظ سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی نسبت کی گئی ہے ۔

(۲) شکر میں کمی

ذنب کا ایک مفہوم ہے "شکر میں کمی"، شکر کی دو قسمیں ہیں، شکر قلبی، شکر لسانی ۔

حضور انور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ، ہر آن "شکر قلبی" میں مشغول

(۱) الشفاء وشرح الشفاء ص ۲۰۷، ۲۰۸ ج ۲ ۔

رہے، یعنی آپ کا قلبِ اقدس ایک آن کے لئے بھی خدائے پاک کی یاد اور اس کے شکر سے غافل نہ رہتا، البتہ لوازمِ بشریت اور انتظاماتِ امت میں اشتغال کے باعث شکرِ لسانی میں کمی ہو جاتی، اس کمی کو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ذنب تصور فرماتے حالانکہ یہ واقع میں ذنب نہیں کہ اولاً بندہ اس کا مکلف نہیں کہ وہ ہمیشہ، ہر آن دل وزبان سے شکرِ الٰہی میں منہمک رہے، ثانیاً سرکار ذکر لسانی کے بجائے جو کام انجام دیتے وہ بھی فی الواقع عبادت ہی ہوتا۔

"شکر میں کمی" کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ خدائے قدوس نے بندے کو جو گوناگوں، بے بہا اور بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اس کے کامل وکماحقہٗ شکر میں کمی۔ لیکن یہ کمی بھی گناہ نہیں کہ ایسا شکر بندے کی قدرت سے بالاتر ہے جو شریعت کے قلمرو سے باہر ہے۔

(کمی کا یہ مفہوم شکر قلبی و لسانی دونوں میں کمی کو عام وشامل ہے)

شکر کی اس کمی کو قرآن پاک میں ذنب سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ذنب کے معنی اصلی سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ شکرِ کامل میں کمی یا اس سے قاصر وعاجز رہنا اس سے پیچھے رہ جانے کو مستلزم ہے۔

یہ تفسیر سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ چنانچہ تنویر المقباس میں ہے۔

(واستغفر لذنبك) لِتقصير شكرِ ما أنعم الله عليك وعلىٰ أصحابِك اھ (۱)

اے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر جو انعامات فرمائے ہیں ان کے شکر میں کمی کی وجہ سے استغفار کیجئے۔

(۱) تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس علی ہامش البیضاوی والخازن ص ۲۵۹ ج ۵۔

یہ تفسیر شکر لسانی اور شکر کامل ہر ایک میں کمی کو شامل ہے۔

تفسیر خازن میں ہے۔

حکی الشیخ محی الدین النووی عن القاضی عیاض أنّ المراد به (أی بـ «یُغان علی قلبی») الفترات والغفلات من الذی کان شأنه صلی الله علیه وسلم الدوام علیه، فإذا فتر، أو غفل عدّ ذلك ذنبًا واستغفر منه اھ (۱)

ارشاد رسالت ہے کہ میرے دل پر ایک حجابِ لطیف پڑ جاتا ہے اس "حجابِ لطیف" سے مراد ذکر الٰہی میں کمی ہے جبکہ شانِ نبوت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس پر مداومت فرماتے تو جب کبھی ذکر الٰہی میں کمی ہو جاتی، یا کسی وجہ سے ذکر چھوٹ جاتا تو آپ اسے گناہ سمجھ کر اس سے استغفار فرماتے، یہ توجیہ شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امام قاضی عیاض کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

شفاء و شرح شفاء میں ہے۔

(فیکون المراد بهذا «الغین» إشارةً إلی غفلات قلبه) فی مقام المجاهدة (وفترات نفسه) فی مرام المشاهدة (وسهوها) أی اشتغالها بما هو أهمّ علیها (عن

اس "حجاب" سے اشارہ مقصود ہے دل کی اُس بے توجہی کی جانب جو آپ کو مقامِ مجاہدہ میں پیش آتی، اور طبیعت کی اس سستی کی طرف جو مقصود و مشاہدہ میں حائل ہوتی اور پریشان کن اہم امور میں اُس مشغولی کی طرف جو ذکر لسانی کی مداومت میں

(۱) تفسیر الخازن (مع البیضاوی وغیرہ) ص ۵۰۸ ج ۵ - شرح الصحیح لمسلم للإمام النووی ص ۳۴۶ ج ۲ باب إستحباب الإستغفار والإستکثار۔

مُداومة الذكر) أى
اللسانى إذ لا يمنع مانعٌ
عن مواظبة الذكر
الجنانى (ومشاهدة الحق
بما كان صلى الله تعالىٰ
عليه وسلم دُفع إليه
من مُقاساة البشر)
من الأكل والشرب
وسائرِ المقتضيات
الطبيعية (وسِياسةِ
الأمّة) أى بالأحكام
الشرعيّة أو معاناة الأهل)
أى مقاساة احوال العيال
والأولاد والخدّام والأحفاد
والأقارب القريبة والبعيدة،
(ومُقاومة الولىِّ
والعدوّ) أى تربيتها
وارتياضها حتى تنقاد
بحمل مالها وتحمّل ما عليها
ممّا لابد منه معاشًا
ومعادًا (وكلّفه من اعباء

رکاوٹ بن جاتی۔ ذکر قلبی پر ہمیشگی سے
تو کوئی مانع نہ ہوتا۔ یوں ہی مشاہدۂ
جمالِ حق سے سہو کی جانب بھی اشارہ ہے۔
یہ سب کچھ ان کاموں کی وجہ سے رونما
ہوتا جو حضور کو کھانے پینے وغیرہ بشری
طبیعت کے تقاضے پورے کرنے کے لئے
ناچار جھیلنے پڑتے، یا امت پر شرعی احکام
کے تحت سیاست وانتظام کیلئے کرنے پڑتے،
یا اہل وعیال، خُدام، اولاد واحفاد،
قریب وبعید اقارب کے حالات وتعلقات کے
تحت برتنے پڑتے، یا دوست ودشمن
سے ان کے حسبِ حال نمٹنے کیلئے انجام
دینے ہوتے، یا نفس کی صلاح جوئی اور
اس کی ریاضت وتربیت کی خاطر عمل میں
لانے ہوتے تاکہ معاش ومعاد کے لحاظ
سے جو امور اسکے حق میں مفید ہیں اور جنکی
بجاآوری اس پر لازم ہے سب کے تحمل
کے لئے مطیع وتابعدار رہے، اسی طرح
اس مشاہدے میں تبلیغ رسالت، اور اس
عظیم بار امانت کے تحمل کی ذمہ داریاں
بھی حائل آئیں جن کی ادائیگی کے

أداء الرسالة وحمل الأمانة وهو في كل هذا في طاعة ربه وعبادة خالقه اھ ملخصًا۔ (۱)

آپ مکلف اور مامور تھے۔ حالانکہ یہ جتنی رکاوٹیں بیان ہوئی ہیں سب میں حضور کی مشغولی رب کی اطاعت اور خالق کی عبادت ہی ہے لیکن سرکار اپنے منصبِ رفیع کے پیش نظر اس حجاب کی وجہ سے بکثرت استغفار کرتے ہر لمحہ اور ہر آن حضور اکرم سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک مقامِ قربِ الٰہی سے اس سے

(۳) پست مقام

بلند مقام قربِ الٰہی کی طرف عروج ہوتا ہے۔ "وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى"، تو بعد کے ہر مقام بلند کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کے پہلے کا مقام "ذنب" ہے کہ اب یہ پیچھے ہو گیا، ذنب بمعنی دَنی و کم رتبہ کی مناسبت بھی موجود ہے۔

• وقد ذكروا: أنّ لنبيّنا صلّى الله عليه وسلم في كل لحظةٍ عروجًا إلى مقام أعلى ممّا كان فيه، فيكون ما عرج منه في نظره الشريف ذنبًا

علماء نے بیان کیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر لمحہ ایک مقامِ بلند سے اس سے زیادہ بلند مقام کی طرف ترقی کرتے رہتے ہیں تو مقامِ اعلیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس سے پست مقام آپ کی نگاہِ اقدس میں

---

(۱) الشفاء شرح الشفاء ص۱۹۲، ۱۹۳ ج۲ فصل فی حکم عقد قلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (۲) شرح صحیح مسلم للامام النووی ص۳۴۶ ج۲ باب استحباب الاستغفار والاستکثار۔

بالنسبة إلى ما عرج إليه. فيستغفر منه وحملوا على ذلك قوله صلى الله تعالى عليه وسلم «إنه ليغان على قلبي وإني لأستغفر الله كل يوم مائة مرة» (أخرج النسائي وابن ماجة وغيرهما) وفيه أقوال اخر. اھ (۱)

"ذنب" ہوتا ہے۔ اسلئے آپ اس سے استغفار کرتے ہیں، علماء نے اسی معنی پر آپ کے اس ارشاد کو بھی محمول کیا ہے "بیشک میرے دل پر ایک ہلکا سا سایۂ غفلت پڑ جاتا ہے اسلئے میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہر روز سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں" اور یہاں کچھ دوسرے اقوال بھی ہیں۔

مفسرین قرآن علامہ اسمٰعیل حقی، عارف باللہ علامہ فاسی اور شیخ محقق علیہم الرحمۃ والرضوان نے بھی ذنب کی یہ توجیہ فرمائی ہے چنانچہ علامہ حقی کے الفاظ یہ ہیں:

«لذنبك» وهو كل مقام عالٍ ارتفع عليه الصلوٰة والسلام عنه إلى أعلى. اھ (۲)

سرکار علیہ التحیۃ والثناء کا ذنب ہر مقام عالی ہے جس سے "اعلیٰ مقام" پر ترقی کر کے آپ فائز ہوئے۔

اسی مفہوم کی ترجمانی امام علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مخصوص انداز میں یوں فرماتے ہیں:

---

(۱) تفسیر روح المعانی ص ۵۵ ج ۲۶ - بحوالہ حدیث نسائی و ابن ماجہ وغیرھما — (۲) روح البیان ص ۱۱ ج ۲۶، وکذا فی مطالع المسرات ص ۹۶، ۹۷ - ومدارج النبوۃ ص ۸۷ ج ۱، باب سوم در بیان فضل وشرافت

والحاصلُ أنه كان	حاصل کلام یہ ہے کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام
يَعُدّ ما يُشغِله عن ربّه	کو جو چیز بھی رب عز وجل سے
فى الصورة ذنبا بالنسبة	بظاہر روک دیتی آپ اسے اپنے
إلى مقامه الأعلى المعبّر	"مقام اعلیٰ" کے پیش نظر گناہ شمار
عنه "لِي مع الله وقت	کرتے، مقام اعلیٰ کی تعبیر آپ نے
لا يسعُني فيه ملك	ان الفاظ میں فرمائی "اللہ تعالیٰ کے
مقرّبٌ ولا نبيٌّ مرسلٌ"	ساتھ میرا ایک وقت ایسا ہوتا ہے
والمحققون على أنهٗ	جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل
أراد بالنبيّ المرسل	بھی مجھ تک رسائی کی وسعت نہیں رکھتا"
ذاته الأكمل فى حاله	اور محققین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سرکار نے
الأفضل المعبّر عنه	"نبی مرسل" سے اپنی ذات مراد لی ہے،
بالإستغراقِ فى لُجّةِ	جبکہ آپ بحر توحید و میدان تفرید کی اتھاہ
فناء بحر التوحيد و	گہرائی میں استغراق کی افضل
برّ التفريد - (۱)	حالت میں ہوں۔

شفا، و شرح شفا، میں اس مطلب نفیس کی بڑی دلنشیں وضاحت کی گئی ہے جسے پڑھ کر طبیعت جھوم اٹھتی ہے، وہ وضاحت یہ ہے۔

"نبی کریم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختلف مدارج کا ہم نے جو تذکرہ کیا ہے ان تمام حالتوں میں آپ اپنے پروردگار کی طاعت

(۱) شرح الشفاء للعلامة علی القاری ص ۱۹۱ ج ۲، فصلٌ فی حکم عقد قلب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

وعبادت میں ہی ہوتے ہیں تو آپ کا استغفار درحقیقت گناہ سے توبہ نہیں ہوتا، یہ تو محض نسبۃً ایک پست حالت سے استغفار ہوتا ہے جس سے اونچی حالت کی طرف آپ سیر فرماتے رہتے ہیں کیونکہ "سیر فی اللہ" کی انتہا کو کوئی نہیں پہونچ سکتا۔ لیکن چونکہ حضور سیدالانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ بلند رتبہ، عالی درجہ اور کامل العرفان ہیں، اور آپ کیلئے اپنے رب کے ساتھ (اس کے علاوہ کی طرف توجہ والتفات سے پاک ہوکر) خلوصِ قلب، صفائے قصد، اور تفرّد و وحدت، اور اپنے آپ کو جان وتن کے ساتھ اس کی طرف متوجہ کر دینے اور سب کچھ اسے سونپ دینے کی حالت اس کے علاوہ حالت سے زیادہ بلند ہوتی اس لئے آپ اس بلند حالت میں بظاہر نقص وفتور اور اس کے ماسوا دوسری حالت میں بضرورت مشغولی کو اپنے مقام رفیع وحالِ عظیم سے پست وکم رتبہ خیال فرماکر اسی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرتے اور اس سے اونچا مقام طلب فرماتے۔" (۱)

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے سرکار علیہ التحیۃ والثناء کے استغفار کی جو تشریح فرمائی ہے وہ اتنی جامع تشریح ہے کہ اس کے متعلق خود ارشاد فرماتے ہیں :

(ھذا) أی التاویل — ہماری بیان کردہ یہ تاویل

---

(۱) الشفاء وشرح الشفاء ص ۱۹۳ ج ۲ فصل فی حکم عقد قلب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

الذی حرّرناه (أولی من وجوه الحدیث، وأشهرها، وأشهدها) أی أدلّها (والیٰ معنی ما أشرنا به مال کثیر من النّاس وحام حوله فقارب ولم یزد، وقد قربنا غامض معناه و کشفنا للمستفید مُحیّاه) أی نقاب وجهه وحجاب أمره ۔ اھ (۱)

حدیث پاک کی تاویلات میں سب سے زیادہ مناسب، بہتر، مشہور، ظاہر اور واضح الدلالت ہے ۔ اور بہت سے علماء کا اسی تاویل کی طرف رجحان ہوا، وہ اس کے گرد و پیش پھرے، اور قریب بھی ہوئے، لیکن تہ تک نہ پہنچ نہ سکے اور ہم نے اس دقیق معنی کو قریب کر دیا ہے اور طالب معنی کے لئے اس کا چہرۂ زیبا بے نقاب و بے حجاب کر دیا ہے ۔

حضرت علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس توجیہ پر یہ گراں قدر تاثر دیا ۔

وھٰذا المعنی ھو الأولی لمطابقته قوله تعالیٰ «وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلیٰ» اھ (۲)

یہاں یہی معنی زیادہ مناسب ہے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ کے مطابق ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم میں خدائے قدوس نے آپ کے

---

(۱) الشفاء وشرح الشفاء ص ۱۹۳/۲۲ فصل فی حکم عقد قلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔

(۲) شرح الفقه الأکبر ۔ ص ۷۰ ۔

فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے آپ کو یہ بشارتِ عظمیٰ دی ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی - (آیۃ ۴ س ۹۳)
اے رسول یقیناً تمہاری (ہر) پچھلی گھڑی پہلی گھڑی سے افضل و بہتر ہے۔

اور یہاں ذنب واستغفار کا جو مفہوم مراد لیا گیا ہے وہ اس آیہ کریمہ کے عین مطابق ہے اس لئے یہ توجیہ بڑی مناسب و معقول ہے۔

---

(۴) الزام

"ذنب" کا ایک معنی الزام بھی ہے جیسا کہ لسان العرب کی گزشتہ عبارت سے عیاں ہے اس کی تائید حضرت موسیٰ علیہ وعلی نبینا الصلاۃ والسلام کے واقعہ میں قرآن حکیم کی اس آیت سے ہوتی ہے۔

وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ - (۱)
ان (قوم فرعون) کا مجھ پر ایک "ذنب" ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے

یہاں ذنب سے مراد "گناہ" نہیں بلکہ محض الزام ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک قبطی (قوم فرعون کے ایک آدمی) کو ظلم سے روکنے کے لئے گھونسہ مارا تھا اور اس کے باعث اتفاقاً اس کی موت واقع ہو گئی تھی تو حضرت موسیٰ کی یہ تادیبی کارروائی نہ فی الواقع قتل تھی، نہ ناحق۔ البتہ قوم فرعون نے اپنی نا عقلی کے باعث حقائق کا جائزہ لئے بغیر آپ پر قتل کا الزام عائد کیا تھا، تو یہ حضرت موسیٰ کا گناہ نہ تھا، بلکہ قوم فرعون کا الزام تھا۔ مجدد اسلام امام احمد رضا قدس سرہ

---

(۱) القرآن الحکیم س الشعراء ۲۶ - آیۃ ۱۴۔

نے اس مقام پر " ذنب " کا ترجمہ " الزام " ہی کیا ہے۔

اب اس کی روشنی میں آیت فتح کا مفہوم سمجھئے۔

گزشتہ صفحات میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ الزام بھی ایک ایسی چیز ہے جس میں الزام عائد کرنے والے کا کوئی مطلوب و مرغوب ہوتا ہے اور اس کے خیال میں اس پر مُلزم کی طرف سے کوئی زیادتی ہوتی ہے خواہ واقع میں زیادتی ہو، یا نہ ہو۔ اس بات کو ذہن میں رکھ کر سرکار کے اعلان نبوت کے بعد سے فتح مکہ تک کے حالات پر ایک نگاہ ڈالئے تو عیاں ہو گا کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مشرکین نے طرح طرح کے الزامات لگائے تھے مثلاً مجنون، ساحر، کاہن، شاعر، بھائی کو بھائی سے جدا کرنے والا، قوم میں پھوٹ ڈالنے والا، وغیرہ وغیرہ۔ اس میں ان کا مطلوب و مرغوب یہ تھا کہ رسول کی دعوت حق بے اثر ہو کر رہ جائے۔ جو ان کے خیال میں ان پر اور ان کے مذہب باطل پر ظلم عظیم، بلکہ قیامت تھی۔

سورۂ فتح میں انھیں الزامات کو " ذنب " اور ان کے مٹانے کو " غفران " کہا گیا ہے اور تقدم و تأخر سے مراد ہجرت سے پہلے و بعد کا زمانہ ہے۔ تو اب آیۂ فتح کا معنی یہ ہوا۔

" اے رسول ہم نے تجھے فتح مبین عطا فرمائی تاکہ (ہجرت سے) پہلے اور (ہجرت کے بعد تجھ پر (مشرکین کے) جو کچھ الزامات ہیں، اللہ وہ سب مٹا دے۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے مشرکین کی زبان بندی ہو گئی، پھر تھوڑے ہی دنوں بعد غلبۂ اسلام کی برکت سے یہ سب الزام

نیست و نابود ہو گئے۔

عصر حاضر کے علماء میں نائب مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی دام ظلہ العالی نے شرح بخاری (۱) میں اور حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری مدظلہ العالی نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن (۲) میں حدیث عائشہ و آیت فتح میں ذنب کی تفسیر الزام سے ہی کی ہے۔

---

(۵) لغزش مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کے حوالہ سے ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن حکیم کے عرف میں معصیت کا اطلاق "عمد" کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ سہو و نسیان اور بھول چوک پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ وَعَصٰىٓ اٰدَمُ رَبَّهٗ اور ارشاد باری فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا سے ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے جن آیات میں انبیائے کرام کی طرف ذنب یا عصیان کی نسبت کی گئی ہے ان سے مراد سہو و نسیان ہے جسے لغزش بھی کہا جاتا ہے اور یہ کوئی گناہ نہیں۔

---

(۱) نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری ص ۲۷۶ ج ۱۔ حدیث عائشہ۔

(۲) تفسیر ضیاء القرآن ص ۵۳۱، و ۵۳۳ ج ۴۔ (آیت فتح)

تفسیر کی دوسری قسم

گناہ سے حفاظت کی طلب

تفسیر کی اس نوع سے مراد یہ ہے کہ استغفار کا لفظ "گناہ کی بخشش کی طلب" کے معنی میں نہیں، بلکہ اس کے معنئ اصلی کی مناسبت سے اس سے مراد "گناہ سے حفاظت کی طلب" ہے اور گناہ سے حفاظت گناہ کے لئے آڑ اور روک ہے، صاوی شریف میں ہے :

اَلمرادُ بالغفران الإحالةُ بینه وبین الذنوب فلا تصدر منه لأن الغفران هو الستر، والستر إما بین العبد والذنب، أو بین الذنب وعذابه ۔ فاللائق بالأنبیاء الأول، و بالأمم الثانی ۔ اھ (۱)

"غفران" سے مراد رسول پاک اور گناہوں کے درمیان کوئی رکاوٹ اور مانع پیدا کرنا ہے تو رسول سے گناہ صادر نہ ہونگے، اس لئے کہ غفران کا معنی ہے آڑ اور روک ڈالنا، خواہ یہ آڑ اور روک بندہ اور گناہ کے درمیان ہو، یا گناہ اور اس کے عذاب کے درمیان ہو۔ انبیاء کی شان اقدس کے لائق اول ہے اور امتوں کے حال کے لائق دوم ہے۔

مدارج النبوۃ میں ہے :

(۱) اَلتفسیر الصاوی ص ۹۶، ج ۴ سورۃ الفتح ۔

وبعضے محققین گفتہ اند کہ مغفرت
ایں جا کنایہ است از عصمت، پس
معنی "لیغفر لک اللہ الخ"
لیعصمک اللہ فیما تقدم
من عمرک وفیما تأخر منہ،
وایں قول در غایت حسن وقبول
است، وبہ تحقیق عد کردہ اند بلغاء
از اسالیب بلاغت در قرآن
کہ کنایہ کردہ شدہ است از "تخفیفات"
بلفظ مغفرت وعفو ذنوب، چنانکہ
در نسخ قیام لیل فرمود "علم
ان لن تحصوہ فتاب
علیکم فاقرءوا ما تیسر
من القرآن" نیز نزد نسخ
تقدم صدقہ نزد نجویٰ رسول
"فاذ لم تفعلوا فتاب
اللہ علیکم" ونزد نسخ تحریم
جماع لیلۃ الصیام "فتاب علیکم
وعفا عنکم فالان باشروھن"
۱۵ (۱)

بعض محققین نے کہا ہے کہ مغفرت
یہاں "عصمت گناہ" سے کنایہ ہے تو
لیغفر لک اللہ کا معنی ہوا "تاکہ
اللہ تجھے تیری عمر رفتہ وآئندہ کے گناہ سے
بچائے ـــــ اور یہ قول انتہائی
عمدہ اور پسندیدہ ہے، بلغاء نے
اسے قرآن حکیم کے بلاغت کے اسلوب
سے شمار کیا ہے کہ احکام الٰہی میں
میں "تخفیفات" کو قرآن کریم
میں لفظ "مغفرت" اور
"عفو ذنوب" سے کنایہ کیا گیا ہے جیسا
کہ قیام لیل کی منسوخی کے بارے میں
ارشاد باری ہے "علم ان لن
تحصوہ فتاب علیکم (۲۰، مزمل ۷۳)
اور رسول سے آہستہ گفتگو کے وقت
پہلے کچھ صدقہ دینے کی منسوخی کے متعلق
فرمایا گیا "فاذ لم تفعلوا فتاب
اللہ علیکم" (۱۳ مجادلۃ ۵۸)
اور روزے کی راتوں میں تحریم جماع کے متعلق
وارد ہوا "فتاب علیکم وعفا عنکم" (بقرہ ۱۸۷)

(۱) مدارج النبوۃ ص ۷۲ ج ۱، باب سوم در بیان فضل وشرافت۔

ان آیات میں خدائے پاک نے اپنے احکام میں تخفیف کو "توبہ" اور "عفو" کے لفظ سے تعبیر کیا حالانکہ تخفیف محض اس کریم مولیٰ کا فضل وکرم ہے، گناہ سے اس کا کوئی علاقہ نہیں۔

اس کے بعد شیخ محقق نے حضرت شیخ عز الدین بن عبد السلام علیہ الرحمہ کی کتاب نہایۃ السؤل فیما سنح من تفضیل الرسول ﷺ سے اس آیت کے باب میں ایک نفیس نکتہ ذکر کرکے یہ نقل کیا ہے۔

پس یقین شد کہ مقصود اثباتِ ذنوب نیست، بلکہ نفیٔ آنست فافہم وباللہ التوفیق۔ ذکر ہٰذا کلّہ السیوطی اھ (۱)

تو یقین ہوگیا کہ مقصود گناہوں کا اثبات نہیں بلکہ ان سے تنزیہہ اور پاکی کا بیان مقصود ہے، تو اسے سمجھ لو، یہ ساری توجیہات علامہ سیوطی نے ذکر کی ہیں۔

اور دلائلِ عصمت کے ضمن میں سرکار کی یہ حدیث گزر چکی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا:

باز داشت پروردگار من بفضلِ خود مرا، وحائل شد عصمتِ او میانِ من وآں چیز کہ قصد کردم آں را پس ازاں قصد نکردم بہ ہیچ چیز

میرے پروردگار نے مجھے اپنے فضل سے زمانہ جاہلیت کے کاموں سے باز رکھا، اور اسکی عصمت وحفاظت میرے اور اس چیز کے درمیان جس کا میں نے

(۱) مدارج النبوۃ ص ۷۲، ۷۳ ج ۱ باب سوم در بیان فضل وشرافت۔
ایضاً " ص ۸۶ ج ۱ " " "

از جنس آں، تا آنکہ مکرم گردانید مُرا خدائے تعالیٰ برسالت۔

(۱)

ارادہ کیا حائل ہوگئی پھر میں نے اس طرح کی کسی بھی چیز کا کبھی قصد نہیں کیا یہاں تک کہ خدائے پاک نے مجھے رسالت سے سرفراز کیا۔

تفسیر کبیر میں ہے :

وثالثها وجهٌ حسن مستنبط۔ وهو أنّ المراد توفيق العمل الحسن، واجتناب العمل السئ ووجهُه أنّ الإستغفار طلب الغفران، والغفران هو الستر على القبيح، ومن عصم فقد ستر عليه قبائح الهوىٰ، ومعنى طلب الغفران "أن لاتفضحنا"، وذلك قد يكون بالعصمة منه فلايقع فيه كما كان للنبيّ صلىّ الله عليه وسلّم وقد يكون بالستر عليه بعد الوجود، كما هو فى حق المؤمنين والمؤمنات۔

تیسری تفسیر، تفسیر حسن ہے اور قرآن حکیم ہی سے اس کی تخریج ہوئی، اور وہ یہ کہ استغفار سے مراد نیک عمل کی توفیق، اور بُرے عمل سے احتراز ہے، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ استغفار کا معنی ہے "طلب غفران" اور غفران کا معنی ہے "قبیح (گناہ) کو چھپا دینا، اس پر حجاب یا روک ڈال دینا"، اور جو گناہ سے محفوظ رہا اس پر خواہش نفس کے قبائح چھپے رہے یا ان قبائح پر پردہ پڑا رہا۔ تو "طلب غفران" کا معنی ہوا، اے رب تو ہمیں (گناہوں سے) رسوا نہ فرما، یا رسوا نہ کرنا، اور یہ کبھی گناہ سے بچا کر ہوتا ہے کہ بندہ سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوتا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے تھا، اور کبھی گناہ کے بعد اسکی پردہ پوشی کرکے ہوتا ہے۔

(۱) مدارج النبوۃ ص ۸۵ — ۱۷۰ باب سوم دربیان فضل وشرافت۔

وفی هٰذہ الآیۃ لطیفۃٌ وھی أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لہ أحوال ثلثۃ ۔ حالٌ مع اللہ ۔ وحالٌ مع نفسہ ۔ وحالٌ مع غیرہ ۔ فأما مع اللہ فوحِّدہ وأما مع نفسك فاستغفِر لذنبك واطلبِ العصمۃ من اللہ ۔ وأما مع المؤمنین فاستغفِر لھم، واطلُب الغفران لھم من اللہ ۔

---

(۱)

جیسا کہ مسلمان مردوں اور عورتوں کے حق میں ایسا ہی ہے ۔

اس آیہ کریمہ میں ایک باریک نکتہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تین احوال ہیں ۔ (۱) ایک حال خدائے پاک کے ساتھ خلوص قلب و تفرد کا ہے ۔ (۲) دوسرا حال اپنے بشری لوازمات و ضروریات کی تکمیل کا ہے ۔ (۳) تیسرا حال امورِ امت کی اصلاح وانتظام کا ہے ۔ تو آپ کو حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تفرد و خلوصِ مشاہدہ کے وقت اس کی وحدت کا ذکر کیجئے ، فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ ، اور بشری لوازمات میں اشتغال کے حال میں گناہ سے عصمت و حفاظت کی دعا کیجئے ۔ اور مومنوں کی طرف التفات کے حال میں ان کیلئے خدائے پاک سے معافی و بخشش کی دعا فرمائیے ۔

(۱) ألتفسیر الکبیر ص ۶۱ ج ۲۸ ۔ س محمد ۔ أیضا ص ۸۰ ج ۲۸ س ألفتح ۔ وکذا فی : ألجامع لأحکام القرآن لمحمد بن أحمد الانصاری القرطبی ص ۲۴۳ ج ۱۶ ۔ وروح البیان ص ۵۱۱ ج ۲۶ ۔ وشرح الشفاء للعلامۃ علی القاری الحنفی ص ۲۸۳ ج ۲ ۔

شفا شریف اور اس کی شرح میں ہے:

(قال بعضهم: المغفرة هُهنا) أى فى هذه الآية (تبرئةٌ من العيوب) وتنزيهٌ من الذنوب لأن أصلها الستر فهو كالعصمة فى معنى الستر من الحجاب، والمنع عن الوزر۔

(وأمّا قوله: "وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِىْ أَنْقَضَ ظَهْرَكَ"، فقيل ...... معناه أنّه حُفظ قبل نبوّته منها) أى من الذنوب (وعُصِم، ولولا ذلك) أى ماذُكِر من الحفظ والعصمة (لأُثقلت ظهرك)۔ (حكى معناه السمرقندى)

بعض علماء نے فرمایا کہ آیتِ فتح میں مغفرت کا معنی "عیبوں سے بری، اور گناہوں سے پاک و منزّہ رکھنا" ہے۔

اس لئے کہ مغفرت کا اصل معنی چھپانا ہے تو یہ حجاب سے چھپانے اور گناہ سے باز رکھنے کے معنی کے لحاظ سے "عصمتِ گناہ" کی طرح سے ہے۔

لیکن خدائے پاک کا ارشاد "وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِىْ أَنْقَضَ ظَهْرَكَ" ــــ تو اس سلسلے میں ایک قول کے مطابق ..... "وِزْر" کا معنی یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نبوت سے پہلے گناہوں سے محفوظ و معصوم رکھے گئے۔ اور اگر گناہوں سے یہ عصمت و حفاظت نہ ہوتی تو وہ آپکی پیٹھ توڑ دیتے۔

یہ معنی فقیہ، امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جو اکابر حنفیہ سے ہیں)

أی أبو اللیث ۔ اھ   نے بیان کیا ہے ۔
(۱)

ان اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب سیّد عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو گناہوں سے محفوظ رکھا ہے اور آپ کو اسی عصمت و حفاظت کے لئے دعا کا حکم دیا ہے ۔

٭ ٭ ٭

(۱) الشفاء، وشرح الشفاء ص ۲۸۳ ج ۲، فصلٌ فی الردِ علیٰ من أجاز علیھم الصّغائر ۔

تفسیر کی تیسری قسم

(۱) خطاب عام سامعین سے ہے

"ذنب" سے مراد "گناہ" اور "اِستغفار" سے مراد "گناہوں سے معافی کی طلب" ہے۔ لیکن یہاں خطاب حضور اقدس سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ عام سامعین (جو مخاطب بن سکیں اُن) سے ہے۔

علمائے بلاغت نے "مُسندالیہ" کی "تعریف" کی بحث میں یہ انکشاف کیا ہے کہ "صیغۂ خطاب" سے ایسے غیر معین اشخاص کو بھی خطاب کیا جاتا ہے جن کا مخاطب ہونا ممکن ہو۔

وقد یُخاطَب غیرالمعین إذا قصد تعمیمُ الخطاب لِکلّ من یمکن خطابه نحو اَللّئیمُ من إذا أَحسنتَ إلیه أساءَ إلیكَ۔ اھ (۱)

اور کبھی صیغۂ خطاب سے غیر معین کو بھی مخاطب کیا جاتا ہے جبکہ مقصود خطاب کو ہر اس شخص کے لئے عام کرنا ہو جس کا وہاں مخاطب ہونا ممکن ہو۔ جیسے کمینہ وہ شخص ہے کہ جب تم اسکے ساتھ احسان کرو تو وہ تمہارے ساتھ بدسلوکی کرے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ اس مثال میں صیغۂ خطاب "اَحسَنتَ إلیه" کا رخ کسی معین شخص کی طرف نہیں، بلکہ ہر شخص کو یہ بتانا مقصود ہے

(۱) دروس البلاغۃ ص ۱۳، الباب الرابع فی التعریف والتنکیر۔

کر کمینے کی پہچان یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرو تو وہ تمہارے ساتھ بدسلوکی کرے ، تم آزما کر دیکھ سکتے ہو۔

قرآن حکیم نے بھی بلاغت کا یہ اسلوب کثیر مواقع پر اختیار کیا ہے مثلاً ایک مقام پر قیامت میں کفار و مشرکین کی ذلت و رسوائی کی منظر کشی کرتے ہوئے خطاب ہوتا ہے :

وَلَوْ تَرٰىٓ اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط (۱۲ سجدہ ۳۲)

اور کہیں تم دیکھو جب مجرم (کفار و مشرکین) اپنے رب کے پاس (شرم سے) سر نیچے ڈالے ہوں گے۔

اس آیت کریمہ میں "تریٰ" یا "تم" کا مخاطب کوئی معین شخص نہیں بلکہ تمام اہل محشر مخاطب ہیں جو مشرکین کو اپنے کرتوت پر بارگاہِ الٰہی میں انتہائی خجالت کے باعث سر جھکائے ہوئے دیکھیں گے۔(۱)

قرآن مقدس کا یہ اسلوب بلیغ ذہن نشین کر کے امام احمد رضا قدس سرہ کی تفسیر پڑھیے۔ آپ فرماتے ہیں :

"شرطِ تمامیِ استدلال ہر قطعِ احتمال ہے علم کا قاعدہ مسلّمہ ہے إذا جاء الإحتمال بطل الإستدلال۔ سورۂ مومن و سورۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آیات کریمہ میں کون سی دلیل قطعی ہے کہ خطاب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔ مومن میں تو اتنا ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ "اے شخص اپنی خطا کی معافی چاہ"

---

(۱) اس مطلب کی قدرے تفصیل مختصر المعانی ص ۶۹، اور مطول صـ۱۰۶ باب التعریف۔ نیز الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ فصل فی وجوہ مخاطباتہ، میں ہے ۱۲ منہ

کسی کا خاص نام نہیں، کوئی دلیل تخصیص کلام نہیں۔

قرآن عظیم تمام جہان کی ہدایت کے لئے اترا نہ صرف اس وقت کے موجودین بلکہ قیامت تک کے آنے والوں سے وہ خطاب فرماتا ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ نماز برپا رکھو۔ یہ خطاب جیسا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تھا ویسا ہی ہم سے بھی ہے اور تا قیام قیامت ہمارے بعد آنے والی نسلوں سے بھی، اسی قرآن عظیم میں ہے۔ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (۱) کتب کا عام قاعدہ ہے کہ خطاب ہر سامع سے ہوتا ہے "بداں اسعدک اللہ تعالیٰ" میں کوئی خاص شخص مراد نہیں، خود قرآن عظیم میں فرمایا اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی ۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ؕ۔ اَرَاَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰۤی ۙ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ؕ ابوجہل لعین نے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا چاہا اس پر یہ آیات کریمہ اُتریں کہ "کیا تو نے دیکھا اُسے جو روکتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے، بھلا دیکھ تو اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو یا پرہیزگاری کا حکم فرمائے" یہاں "بندے" سے مراد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور غائب کی ضمیریں حضور کی طرف ہیں اور مخاطب کی ہر سامع کی طرف، بلکہ فرماتا ہے: فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ؕ ان روشن دلیلوں کے بعد کیا چیز تجھے روز قیامت کے جھٹلانے پر باعث ہو رہی ہے" یہ خطاب خاص کفار سے ہے بلکہ ان میں بھی خاص منکرین قیامت مثل مشرکین آریہ و ہنود سے۔

یوہیں دونوں سورۂ کریمہ میں کاف خطاب ہر سامع کے لئے ہے کہ "اے سننے والے اپنے اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کے گناہ کی معافی مانگ"

(۱) ترجمہ: تاکہ میں قرآن کے ذریعہ تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو یہ پہونچے (۱۹ - انعام ۶)

بلکہ آیتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تو صاف قرینہ موجود ہے کہ خطاب حضور سے نہیں، اس کی ابتدا یوں ہے فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط ،، جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے گناہ کی معافی چاہ ،، تو یہ خطاب اُس سے ہے جو ابھی ،، لاآلٰہ الا اللہ ،، نہیں جانتا، ورنہ جاننے والے کو جاننے کا حکم دینا تحصیلِ حاصل ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ،، اے سننے والے جسے ابھی توحید پر یقین نہیں کسے باشد توحید پر یقین لا اور اپنے اور اپنے بھائی مسلمانوں کے گناہ کی معافی مانگ ،، تتمہ آیت میں اس عموم کو واضح فرمادیا کہ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ وَمَثْوٰکُمْ ٥ ،، اللہ جانتا ہے جہاں تم سب لوگ کروٹیں لے رہے ہو اور جہاں جہاں تم سب کا ٹھکانا ہے ،، ——— اگر فَاعْلَمْ میں تاویل کرے تو ذَنْۢبِکَ میں تاویل سے کون مانع ہے۔ اور اگر ذَنْۢبِکَ میں تاویل نہیں کرتا تو فَاعْلَمْ میں تاویل کیسے کر سکتا ہے، دونوں پر ہمارا مطلب حاصل، اور مدعی معاند کا استدلال زائل ،، (۱)

(۲) اہلِ بیت و امت کے گناہ

خطاب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے لیکن ،، ذنب ،، کی نسبت آپ کی طرف حقیقی نہیں، حقیقت میں یہاں ذنب کا تعلق آپ کی امت اور اہل بیت سے ہے اور ایجازِ حذف یا مجازِ عقلی کے طور پر آپ کی طرف اس کی اِسناد فرمائی گئی ہے۔

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد نہم ص ۷۶، ۷۷۔ قادری بکڈپو، بریلی۔

واضح ہو کہ مجازِ عقلی اسناد میں پایا جاتا ہے اور ایجازِ حذف میں جملہ، یا جملہ کا کوئی جزء محذوف ہوتا ہے۔ (۱)

---

(۱) المجاز العقلی: هو إسناد الفعل أو ما فی معناه (من اسم فاعلٍ، أو مفعولٍ، أو مصدر) إلی غیر ما هو له فی الظاهر من المتکلم لعلاقةٍ مع قرینةٍ تمنع من أن یکون الإسناد إلی ما هو له اه (جواهر البلاغة ص ۲۹۶)

مجازِ عقلی یہ ہے کہ فعل، یا معنی فعل یعنی اسم فاعل، اسم مفعول، مصدر وغیرہ متکلم کے نزدیک بظاہر جس کا ہے (یعنی جس کی صفت ہے، جسکے ساتھ قائم ہے) اس کی طرف فعل یا معنیٰ فعل کی اسناد سے کسی قرینہ کے مانع ہونے کے باعث اس کے علاوہ کی طرف ان کی اسناد کی جائے۔

ثم الإسناد منه حقیقة عقلیة ..... ومنه مجاز عقلیٌ ..... ویُسمّٰی إسنادًا مجازیًا۔ اه ملخصًا

اسناد کی دو قسمیں ہیں: حقیقتِ عقلیہ، اور مجاز عقلی۔ اس کا دوسرا نام اسناد مجازی بھی ہے (مختصر المعانی ص۵۱ و ۵۳)

المجاز اللغوی یکون فی اللفظ والمجاز العقلی یکون فی الإسناد۔

مجاز لغوی لفظ میں ہوتا ہے اور مجاز عقلی اسناد میں (دروس البلاغہ ص۳۲)

. . . .

والإیجاز الحذف هو ما یکون بحذف شیئ والمحذوف إما جزء جملةٍ

ایجاز حذف کسی چیز کے حذف سے ہوتا ہے اور محذوف یا تو جملہ کا جزء مضاف ہوتا ہے جیسے ارشاد باری

یہ مجاز قرآن حکیم اور روزمرہ کے محاورہ میں کثرت سے شائع ، ذائع[1] ہے جیسا کہ ذیل کی تفصیل سے واضح ہوگا ۔

(وھو) أی المجاز العقلی (فی القرآن کثیرٌ) کقولہ (وَاِذَاتُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیَاتُہٗ) أی اٰیات اللہ تعالیٰ (زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا) أسند الزیادۃ وھی فعل اللہ تعالیٰ إلی الآیات لکونھا سببًا لھا۔ (یُذَبِّحُ اَبْنَآئَھُمْ) نسب التذبیح الذی ھو فعل الجیش إلی فرعون لأنہ سببٌ اٰمِرٌ۔ (یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا) نُسِب نزعُ اللباس عن اٰدمَ

مجاز عقلی قرآن حکیم میں کثیر ہے جیسے ذیل کی آیات میں ہے :

(۱) اور جب مومنوں پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو یہ ان کا ایمان زیادہ کر دیتی ہیں » ایمان زیادہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اس کی اسناد آیات کی طرف اسلئے کی گئی ہے کہ وہ سبب زیادت ہیں ۔

(۲) « فرعون بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کرتا » ذبح تو فرعون کا لشکر کرتا تھا ، لیکن اسکی نسبت فرعون کی طرف اسلئے کی گئی کہ وہ ذبح کا سبب اور اسکا حکم دینے والا تھا ۔

مضافٌ نحو « وَاسْئَلِ الْقَرْیَۃَ » أی أھل القریۃِ اھ ۱۲ رضوی

« بستی سے پوچھو » میں ، کہ مراد ہے « بستی کے باشندوں سے پوچھو » (مختصر المعانی ص ۲۸۶ بحث الایجاز)

(۱) اس بحث کی قدرے وضاحت الاتقان فی علوم القرآن میں بھی ہے ملاحظہ ہو ص ۳۶ ج ۲ ۱۲ رضوی

وحوّاء على نبيّنا
وعليهما السّلام۔
وهو فعلُ الله تعالىٰ إلىٰ
إبليس لأنّ سببَه الأكلُ
من الشجرة وسببُ
الأكلِ وسوسته ومقاسمته
إيّاهما بأنه لهما من النّاصحين
(يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ
شِيْبًا) نسب الفعل
إلى الزمان وهو فعلُ
الله تعالىٰ حقيقةً
(وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا)
أي ما فيها من الدفائن
والخزائن، نسب الإخراج
إلىٰ مكانه وهو فعل الله
تعالىٰ حقيقة" الخ
(۱)

(۳) "شیطان نے (حضرت آدم وحواء
کے) لباس اتار دیئے"
حضرت آدم وحوا علیٰ نبینا وعلیہما الصلاۃ
والسلام سے لباس اللہ تعالیٰ نے اتارا
اور اس کی نسبت ابلیس کی طرف اس لئے
کی گئی کہ لباس اترنے کا سبب
درخت سے کچھ کھانا ہوا، اور کھانے
کا سبب ان حضرات کے دل میں اس کا
وسوسہ ڈالنا، نیز ان سے یہ قسم کھانا ہوا کہ وہ
یقیناً ان کا خیر خواہ ہے۔
(۴) "قیامت کا دن جو بچوں کو بوڑھا کردیگا"
یہاں فعل کی نسبت زمانہ کی طرف کی گئی حالانکہ
وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔
(۵) "اور زمین اپنے بوجھ (دفینے وخزانے)
باہر نکال دے گی" اس آیۂ کریمہ میں اخراج
شئی کی نسبت مکانِ شئی کی طرف کی گئی حالانکہ
یہ فعل درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہے۔

نیز ارشاد باری ہے:

(۱) مختصر المعانی ص ۵۸، ۵۹ - أحوال الإسناد الخبري،
أيضاً مطوّل ص ۶۴، أحوال الإسناد الخبري

قَالَ یٰقَوۡمِ ھٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیۡ ھُنَّ اَطۡھَرُ لَکُمۡ۔ (لوط نے کہا، اے قوم، یہ میری بیٹیاں ہیں، یہ تمہارے لیے ستھری ہیں۔

(۷۸ ہود ۱۱)

حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کی بیٹیوں کو جو آپ کے یہاں آنے والے ناپاکوں کی بیویاں تھیں، اپنی بیٹی کہا ہے۔

امام ابوزکریا محی الدین نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"کتاب اللہ کا خطاب چار طرح کا ہے

(۱) خطاب بھی عام ہو، اور مخاطب بھی عام ہو، جیسے ارشاد باری یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ، اور یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ۔

(۲) خطاب خاص نبی سے ہو، اور مخاطب بھی خاص نبی ہی ہوں جیسے ارشاد باری وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَھَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ۔ اور جیسے خَالِصَۃً لَّکَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔

(۳) خطاب خاص نبی سے ہو لیکن مخاطب نبی کے ساتھ امتی بھی ہوں جیسے ارشاد باری اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ اور جیسے ارشاد باری فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ۔ وغیرہ

(۴) خطاب خاص نبی سے ہو، لیکن مخاطب صرف غیر نبی ہوں"

اب اسے خود امام نووی کے الفاظ میں سنیے، رقمطراز ہیں:

وَرُبَّمَا کَانَ الخطاب لہٗ — بسا اوقات خطاب کا روئے سخن

مُواجهة والمرادُ غيرهٗ كقوله تعالیٰ: "فَاِنْ كُنْتَ فِی شَكٍّ مِمَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ فَاسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَؤُنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ج لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۔"

ولا یجوز أن یکون صلی اللّٰہ علیہ وسلم قد شك قطُّ فی شیٔ مِمّا أنزل إلیه اھ (۱)

نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے اور مراد آپ کے غیر ہوتے ہیں جیسے خدائے پاک کے اس ارشاد میں "اگر تجھے اس میں کچھ شبہ ہو جو ہم نے تیری طرف (قرآن) اتارا تو ان سے پوچھ لو جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں بیشک تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا، تو تم ہرگز شک والوں میں نہ ہو۔ (۹۴، یونس ۱۰)

اور یہ نا ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوئی کبھی اس میں آپکو کچھ شک ہوا ہو۔

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خطاب کی آخری قسم کے متعلق قرآن حکیم سے مزید دو آیتیں پیش کر کے ایک دلنشیں ذریعہ سے اسے زیادہ عام فہم بنا دیا ہے، رقمطراز ہیں:

(۱) شرح المسلم ص۳۲ ج۱ باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا اِلٰہ اِلا اللہ۔

خاتم المحققین امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ انکشاف فرمایا ہے کہ خطابِ قرآنی کی (۳۳) اقسام ہیں جن میں سے ایک قسم خطابُ العین والمراد بہٖ الغیر ہے یعنی خطاب نبی سے ہو اور مراد غیر نبی ہوں۔ ان تمام اقسام کو امام موصوف نے قرآن کی مثالوں سے واضح کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (الاتقان فی علوم القرآن ص ۳۳، ۳۴ ج ۲) ۱۲ منہ

خطاب اگرچہ بحضرت است،
ولیکن مراد تعریض بغیر اوست
چنانکہ در قول او "وَلَئِنْ
اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ"،
وچنانکہ قول وے تعالیٰ مر عیسیٰ
بن مریم علیہما السلام را "ءَاَنْتَ
قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ
وَاُمِّیَ اِلٰـہَیْنِ مِنْ دُوْنِ
اللّٰہِ" ایں روش در کلام بسیار
افتد چنانکہ سلطان امیرے را
بر قومے گماشت، ومی خواہد
سلطان کہ امر کند رعیت را بحکم،
توجہ خطاب بہ آں قوم نمی کند،
بلکہ با میر میکند ومی گوید کہ چنیں
کن، وچناں کن، واگر چنیں کنی،
وچناں کنی ترا چنیں کنم وچناں
کنم۔

در ظاہر خطاب بہ امیر کند
ولیکن مراد قوم را میدارد، ودر حقیقت
خطاب بہ ایشاں میکند.....
ایں جا مخاطب آنحضرت،

خطاب اگرچہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو ہے لیکن مراد (آیت فَاِنْ کُنْتَ
فِیْ شَکٍّ میں) آپ کے علاوہ پر
تعریض ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس
ارشاد میں "اگر تو نے اللہ کا شریک کیا
تو ضرور تیرا سب کیا دھرا اکارت
ہو جائے گا"، اور جیسا کہ حضرت
عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے خدائے پاک
کا یہ ارشاد "کیا تو نے لوگوں سے
کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ
کے سوا دو خدا بنا لو" ـــــ

یہ اُسلوبِ خطاب بات چیت میں بہت
واقع ہے جیسے بادشاہ نے کسی کو ایک قوم کا
امیر مقرر کیا، اور وہ چاہتا ہے کہ رعایا کو
کوئی حکم دے تو وہ خطاب کا رخ رعایا کی
طرف نہ کرکے اپنے امیر کی طرف کرتا ہے
اور کہتا ہے کہ ایسا ایسا کرو۔ اور اگر تو نے
ایسا ایسا کیا تو میں تیرے ساتھ یہ کروں گا وہ کروں گا۔
بادشاہ ظاہر میں تو خطاب امیر سے کرتا
ہے لیکن اس کی مراد قوم ہوتی ہے اور وہ حقیقت
میں قوم کو ہی خطاب کرتا ہے...

و مراد غیر از وست ۔ آیۂ کریمہ فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَكٍّ میں مخاطب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور مراد دوسرے لوگ ہیں۔

(۱)

آیاتِ زیب عنوان میں خطاب کی اسی آخری قسم کا لحاظ فرمایا گیا ہے۔ جو اربابِ معانی وبیان کے نزدیک ایک اسلوبِ بلیغ ہے، اور مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کا ترجمہ اسی اسلوبِ بلیغ کا آئینہ دار ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(آیت فتح) تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

(آیت محمد) اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔

(آیت مومن) اور اپنوں کے گناہوں کی معافی چاہو۔ (۲)

پھر ایک مقام پر آپ اس کی وضاحت فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ہر ادنیٰ طالبِ علم جانتا ہے کہ اضافت کے لئے ادنیٰ ملابست بس (کافی) ہے، بلکہ یہ عام طور پر فارسی، اردو، ہندی سب زبانوں میں رائج ہے۔ مکان کو جس طرح اس کے مالک کی طرف نسبت کریں گے یونہیں کرایہ دار کی طرف، یونہیں جو عاریت لے کر بس رہا ہے اسکے پاس (کوئی) ملنے آئے گا (تو) یہی کہے گا کہ "ہم فلانے کے گھر گئے تھے، بلکہ پیمائش کرنے والے جن کھیتوں کو ناپ رہے ہوں

---

(۱) مدارج النبوۃ جلد اول ص ۸۷ باب سوم در بیان فضل وشرافت۔

(۲) کنز الایمان، متعلقہ آیات۔

ایک دوسرے سے پوچھے گا "تمہارا کھیت کے جریب ہوا؟"
یہاں نہ ملک، نہ اجارہ، نہ عاریت۔ اور اضافت موجود۔
یوہیں بیٹے کے گھر سے جو چیز آئے گی باپ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے
یہاں سے یہ عطا ہوا تھا۔

تو ذَنْبِكَ سے مراد اہلِ بیتِ کرام کی لغزشیں ہیں اور اس
کے بعد وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ تعمیم بعدِ تخصیص ہے یعنی
شفاعت فرمائیے اپنے اہلِ بیت کرام، اور سب مسلمان مردوں
و عورتوں کے لیے؛ ....

... تعمیم بعدِ تخصیص کی مثال خود قرآن عظیم میں (موجود) ہے:

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ	اے میرے رب مجھے بخش دے،
وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ	اور میرے ماں باپ کو، اور جو میرے
مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ	گھر میں ایمان کے ساتھ آیا، اور سب
وَالْمُؤْمِنَاتِ ط	مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو،

اسی وجہ سے کریمۂ سورۂ فتح میں لام "لَكَ" تعلیل کا ہے،
اور مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ (کا معنی) تمہارے اگلوں کے گناہ یعنی
سیّدنا عبداللہ، وسیّدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منتہائے نسب
کریم تک تمام آبائے کرام و اُمہاتِ طیبات، باستثنائے انبیائے کرام
مثل آدم وشیث ونوح وخلیل و اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور
مَا تَاَخَّرَ "تمہارے پچھلے" یعنی قیامت تک تمہارے اہل بیت
و اُمّت مرحومہ۔

تو حاصلِ کریمہ یہ ہوا کہ:

ہم نے تمہارے لیے فتحِ مبین فرمائی، تاکہ اللہ تمہارے سبب سے
بخش دے تمہارے علاقہ (لگاؤ) کے سبب اگلوں، پچھلوں کے
گناہ۔ والحمد للہ رب العلمین "۔ (۱)

اب اس سلسلے میں علماء و مفسرین کے اقوال ملاحظہ کیجئے:

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و جماعت براں رفتہ اند، و
خوش رفتہ اند کہ مراد ذنبِ
امت است کہ ازاں بارے بود
بر دلِ شریف رؤف، رحیم
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، پس ایمن
گردانید حق تعالیٰ اورا از عذاب
ایشاں دریں دنیا بقول خود:
"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
وَاَنْتَ فِيْهِمْ" و بوعدہ
قبولِ شفاعت دراں جہاں
بقولِ خود "وَلَسَوْفَ
يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى"
واللہ اعلم (۲)

علماء کی ایک جماعت کا (وَوَضَعْنَا عَنْكَ
وِزْرَكَ کی تفسیر میں) مذہب یہ ہے
اور یہ "مذہب حسن" ہے کہ اس سے
مراد آپ کی امت کا گناہ ہے، جس سے
رؤف و رحیم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے دلِ مبارک پر ایک بار تھا تو اللہ تعالیٰ
نے آپ کو اس دنیا میں انکے عذاب سے
یہ ارشاد فرما کر بے خوف کر دیا کہ اللہ کا
کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک اے محبوب
تم ان میں تشریف فرما ہو، اور آخرت
میں اپنے ارشاد "بے شک قریب ہے کہ تمہارا
رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے"
سے قبولِ شفاعت کا وعدہ فرما کر آپ کو مطمئن کر دیا۔
واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) فتاویٰ رضویہ ص ۷۷، ۷۸ ج ۹ قادری بکڈپو، بریلی شریف۔

(۲) مدارج النبوۃ ص ۸۶ ج ۱۔ ایضاً ص ۷۰ ج ۱، ایضاً ص ۱۲۸ ج ۱، باب سوم۔

عارف باللہ حضرت شیخ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

وأجيب أيضا بأن الكلام على حذف مضاف، والتقدير "واستغفر لذنب أمتك" وإنما أضيف الذنب له لأنه شفيع لهم وأمرهم متعلق به، فإذا لم يسع في غفرانه في الدنيا تبعه في الآخرة۔ قال تعالى: "وعزيز عليه ما عنتم" وكل هذا تشريف لهذه الأمة المحمدية اه (۱)

"ذَنبِكَ" میں "ک" خطاب سے پہلے ایک مضاف محذوف ہے تو عبارت یوں ہے "لِذَنبِ أُمَّتِكَ" یعنی آپکی امت کے گناہ" اور گناہ کی اِسناد امت کے بجائے آپکی طرف اس علاقہ ولگاؤ کی وجہ سے کی گئی کہ آپ امت کے شفیع ہیں اور امت کا معاملہ آپ سے متعلق ہے۔ دنیا میں اگر آپ انکے گناہ کی معافی کی دعا نہ کریں تو آخرت میں یہ آپکے ہی ذمہ ہوگا، ارشاد باری ہے کہ "رسول پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے" اور یہ سب امت محمدیہ کیلئے اعزاز و شرف ہے

وقال بعض الناس: "لذنبك" أي لذنب أهل بيتك وللمؤمنين والمؤمنات أي الذين ليسوا منك بأهل بيت اه

بعض علماء نے کہا کہ "لِذَنبِكَ" کا معنی ہے "آپکے اہل بیت کے گناہ" تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ "اپنے اہل بیت اور انکے سوا دوسرے مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہ کے لئے دعائے استغفار کیجئے۔

(۲)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں :۔

(۱) التفسیر الصاوی ص ۹۰ ج ۴ - ایضا ص ۹۶ ج ۴ -

(۲) التفسیر الکبیر ص ۶۱ ج ۲۸ -

وقيل: إضافةُ المصدر إلى الفاعل والمفعول فقوله "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ" مِن باب إضافة المصدر إلى المفعول أى واستغفر لِذنب أمتك فى حقِّك. اھ (١)

مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ یہاں ذنب ـــــــــ مصدر کی اضافت (فی الواقع) اس کے فاعل اور مفعول دونوں کی طرف ہے تو ارشادِ باری وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ (فاعل کے حذف کی وجہ سے) "اِضَافَةُ المصدر الی المفعول" کے باب سے ہے اور آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ "اپنی امت کے گناہوں کی معافی مانگو"

امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی حنفی علیہ سحائب الرحمۃ والرضوان نے یہ تفسیر فرمائی:

"وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ" أى لِذنب أمتك. اھ (٢)

اپنی امت کے گناہوں کی معافی مانگو۔

امام قاضی عیاض مالکی اور علامہ علی قاری حنفی علیہما الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:-

(وقيل: المرادُ بذلك أُمّته عليه الصلوٰة والسّلام) على حذفِ مضافٍ۔

ایک قول یہ ہے کہ آیت میں مضاف محذوف ہے اور مراد آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی امت کا گناہ ہے۔

---

(١) التفسير الكبير ص ٧٩ ج ٢٨۔

(٢) مدارك التنزيل (مع الخازن وغيره) ص ١٥١ ج ٣ ص المومن، الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ص ٢٤٣ ج ١٦، روح المعاني ص ٧٧ ج ٢٤

(وقيل: ما تقدم لأبيك آدم، وما تأخر من ذنوب أمتك) على أن الإضافة لأدنى الملابسة و "لك" معناه "لأجلك" (حكاه السمرقندي) وهو الفقيه الإمام أبو الليث من أكابر الحنفية، (والسُّلمي) بضم السين وفتح اللام هو أبو عبد الرحمن الصوفي صاحب طبقات الصوفية ومؤلف التفسير في التصوف (عن ابن عطاء وبمثله والذي قبله بتاويل قوله واستغفر لذنبك الخ

قال مكي مخاطبة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ههنا هي مخاطبة لأمته) لأدنى الملابسة في إضافته. اه[1]

ایک قول یہ ہے کہ "ما تقدم" سے مراد آپکے اب کریم حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش ہے اور "ما تاخر" سے مراد آپکی امت کے گناہ۔ اور آپکی طرف ذنب کی نسبت ادنیٰ ملابست یا معمولی لگاؤ کی وجہ سے ہے۔ اور "لک" کا معنی ہے آپکے سبب۔ یہ تفسیر فقیہ جلیل، امام ابو اللیث سمرقندی جو اکابر حنفیہ سے ہیں، اور ابو عبد الرحمن صوفی سُلمی (طبقات الصوفیہ، اور تصوف میں "تفسیر" کے مصنف) علیہما الرحمۃ والرضوان نے حضرت ابن عطا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

نیز آیہ کریمہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ کی تفسیر بھی اسی کے مثل ہے۔

علامہ مکی نے کہا کہ یہاں مخاطب نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ہے اور آپ کی طرف ذنب کی نسبت ادنیٰ لگاؤ کی وجہ سے کر کے آپ کو خطاب فرما دیا گیا۔

(۱) الشفاء و شرح الشفاء ص ۲۸۲ ج ۲ -

اس عبارت سے یہ انکشاف ہوا کہ یہ تفسیر جلیل القدر مفسر قرآن حضرت ابن عطا کی تفسیر مختار ہے اور اسی کو امام ابو اللیث حنفی اور امام ابو عبد الرحمٰن صوفی اور علامہ مکی نے اختیار کیا ہے۔ اب اس سلسلے میں مشہور بزرگ عارف باللہ حضرت علامہ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا عارفانہ بیان ملاحظہ کیجئے، وہ فرماتے ہیں:

بَشَّرَ محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بالمغفرۃ العامّۃ وقد ثبتت عصمتہ، فلیس لہ ذنبٌ یُغفر فلم یبق إضافۃ الذنب إلیہ إلا أن یکون ھو المخاطب والقصدُ أمتہ، کما قیل لہ: "فَاِنْ كُنْتَ فِىْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ" الخ ومعلومٌ أنہ لیس فی شکٍّ۔ فالمقصود مَن ھو فی شکٍّ مِن الأمۃ۔ وکذٰلک "لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ" وقد عُلِمَ أنہ لا یُشرِکُ، فالمقصود مَن أشرکَ، فھٰذہٖ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مغفرت عامّہ کی بشارت دی حالانکہ آپکی عصمت ثابت ہے، اور آپکا کوئی گناہ نہیں جو بخشا جائے، تو آپکی طرف ذنب کی اضافت کا مطلب صرف یہ ہے کہ مخاطب آپ ہیں اور مقصود آپکی امت ہے جیسا کہ قرآن پاک میں آپ سے خطاب فرمایا گیا کہ "تم پر ہم نے جو کتاب اتاری اگر تم کو اس میں کچھ شبہ ہے" حالانکہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ آپکو کچھ بھی شک وشبہ نہیں، تو مقصود آپکی امت کے وہ لوگ ہیں جو شبہ میں گرفتار ہیں۔ یونہی آپکو مخاطب کرکے فرمایا گیا کہ "اگر تم نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو ضرور تمہارا سارا کیا دھرا برباد ہو جائیگا" حالانکہ یقیناً معلوم ہے کہ

صفتهُ فكذلك قيل له:
"لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ الخ"
وهو معصومٌ من الذنوب
فهو المخاطب بالمغفرة
والمقصودُ مَن تقدّم
من آدم إلى زمانه
وما تأخر من الأمة من
زمانه إلى يوم القيامة،
فإنّ الكل أُمّته .....
فكان هو المخاطب و
المقصودُ الناسُ ـ
(۱)

وقيل المرادُ ما تقدّم من
ذنوب أُمّتك وما تأخر منها
لأنه سببُ المغفرة، وأمّا
هو في نفسه فلا ذنب له (۲)

آپ کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں گے
تو مقصود یہ ہے کہ جو خدا کے ساتھ
شرک کرے اسکی یہ حالت ہوگی ۔ یہی
حال اس آیت میں بھی آپ سے خطاب کا
ہے کہ "اللہ تیرے ذنب بخش دے"
حالانکہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں، تو
مغفرت کے مخاطب آپ ہیں اور مقصود
آپ کے اگلے یعنی آپکے زمانۂ اقدس
سے حضرت آدم تک، اور پچھلے یعنی
آپکے زمانہ سے قیامت تک آپکی امت کے
لوگ ہیں ــــ تو مخاطب آپ ہیں اور
مقصود دوسرے لوگ ہیں ۔

مراد آپ کی امت کے اگلے پچھلے
گناہ ہیں کیونکہ آپ انکی مغفرت کے
سبب ہیں، لیکن خود آپ کا واقع میں
کوئی گناہ نہیں ۔

ان اقتباسات سے یہ امور روز روشن کی طرح عیاں ہوکر سامنے آگئے :ـ

(۱) ألفتوحات المكية ص ۱۳۸، ۱۳۹ ج ۲، قُبيل، ألباب الرابع والسبعون في التوبة.

(۲) مطالع المسرات للإمام محمّد المهدي الفاسي ص ۸۵ ـ

(۱) حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم گناہوں سے پاک ومعصوم ہیں، کبھی آپ سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا۔

(۲) جن آیات میں آپ کی طرف ذنب کی اسناد کی گئی ہے ان میں ذنب سے مراد آپ کی امت اور اہلِ بیت کے گناہ ہیں، اس لئے یہ اسناد فی الواقع ان کی طرف ہونی چاہیئے تھی مگر ایجازِ حذف اور مجاز عقلی کے طور پر آپ کی طرف یہ اسناد کی گئی جو ارباب معانی وبیان کے نزدیک ایک اسلوب بلیغ ہے۔ اور یہ اسلوب بلیغ قرآن حکیم کے انتظام میں بکثرت اختیار کیا گیا ہے۔ اور روزمرہ کے محاورہ میں بھی شائع ذائع ہے۔

(۳) بہت سے اولیائے کرام اور جلیل القدر علمائے اسلام کا موقف بھی یہی ہے کہ ان آیات کریمہ میں اسی مجاز اور ایجازِ حذف کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں:

امام ابن عطار، امام ابو اللیث سمرقندی، امام قاضی عیاض مالکی، امام ابو البرکات نسفی، امام محی الدین ابن عربی، امام فخر الدین رازی، امام ابو عبد الرحمٰن صوفی، امام علی قاری، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، علامہ مکی، امام محمد مہدی فاسی، شیخ احمد صاوی مالکی، ان کے علاوہ اور بھی علمائے کرام علیہم سحائب الرحمۃ والرضوان۔

ان وجوہ کے باعث مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنے ترجمہ قرآن کنز الایمان میں ذنب کی اسناد امت اور اہل بیت کی طرف فرمائی جو قرآن حکیم کے اسلوب بلیغ کے عین مطابق ہے۔

ساتھ ہی اس ترجمہ میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ آسانی کے ساتھ

قرآن حکیم کا صحیح مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے اور اس کی وجہ سے "عقیدۂ عصمت" کے سلسلے میں کوئی شک یا خلجان نہیں واقع ہوتا۔ تو اس طرح سے یہ ترجمہ مجازِ عقلی کا ترجمان بھی ہے اور عقیدۂ امت کا نگہبان بھی۔ نیز قرینِ عقل بھی ہے اور موافقِ نقل بھی۔

تفسیر کی چوتھی قسم

ذنب و غفران دونوں کا معنی گناہ، و معافیٔ گناہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گناہ کا صدور ہوا۔ بلکہ اس میں کچھ اور ہی سرِ خداوندی ہے۔

(۱) معافیٔ گناہ کا اعزاز بلکہ خدائے کریم نے محض انعام و اعزاز کے طور پر آپ سے اگلے، پچھلے تمام گناہوں سے معافی کا اعلان کیا، جیسے بادشاہ اپنے کسی معتمد و مقرب، خاص کے بارے میں یہ اعلان کرتا ہے کہ فلاں کے "سو خون معاف" اس کا یہ مطلب کبھی نہیں ہوتا کہ اس نے سو خون کیے، یا کرے گا، بلکہ ہر عام و خاص یہی سمجھتے ہیں کہ یہ اس کے لیے ایک خاص اعزاز ہے بلا تشبیہ و تمثیل خدائے پاک کا ارشاد "لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" اسی طرح کا ایک اعزاز ہے۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وگفتہ است سبکی در تفسیر خود کہ حضرت علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

به تحقیق تامل کردم دریں کلام یعنی
آیه "لیغفر لک اللہ
ما تقدم من ذنبك
وما تاخر" وماقبل ومابعد
وی، پس یافتم اورا که احتمال
ندارد مگر یک وجه را، وآں تشریف
وتکریم پیغمبر است صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم بے آنکہ دریں جا
گناہے باشد۔

وگفت سبکی : وبعد ازاں کہ
درافتادم من بریں معنی یافتم
ابن عطیہ را نیز کہ افتادہ است
بریں، وگفتہ است کہ معنیٔ آیت
تشریف است بایں حکم، ونیست
دریں جا گناہے، وبہ تحقیق توفیق
یافتہ است ابن عطیہ درانچہ
گفت۔ انتہی۔

وایں کلام مجمل است بیانش
آنست کہ خواجگانِ گاہی تشریف
می دہند بعضے خواص از بندگانِ
خودرا ومی نوازند ایشاں را و می گویند

تے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ میں نے کلامِ
الٰہی "لیغفر لک اللہ الخ" اور
اسکے آگے و پیچھے کے کلام میں غور وفکر کیا
تو اس نتیجہ پر پہونچا کہ اس آیت کی مراد
صرف یہ ہے کہ یہ پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم کے لئے بغیر اسکے کہ آپ سے
کوئی گناہ ہوا ہو کلمہ تشریف وتکریم
ہے۔

علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ آیت کی
یہ مراد جان لینے کے بعد میں نے حضرت
علامہ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ (کی تفسیر)
کو دیکھا کہ وہ بھی اسی نتیجہ پر پہونچے ہیں
اور انھوں نے لکھا ہے کہ "آیتِ
کریمہ کا یہ حکم تشریف واعزاز ہے اور
یہاں کوئی گناہ نہیں ہے" علامہ
ابن عطیہ نے جو تحقیق پیش کی ہے
یقیناً یہ خدائے پاک کی توفیق سے
ہے۔ ختم شد۔

یہ مجمل کلام ہے، اسکی توضیح یہ ہے کہ شاہانِ
زمانہ اپنے خدام میں سے کسی "خاص" کو
نوازتے اور اعزاز دیتے ہیں تو یہ کہتے

کہ بخشیدم ترا و در گزشتیم از ہر گناہے کہ بیش و پس کردہ، و مواخذہ نیست بر تو، و حال آنکہ آں بندہ ہیچ گناہے ندارد، و خواجہ ہم می داند کہ ہیچ گناہے از وے صادر نہ شدہ نہ پیش و نہ پس۔ و لیکن ایں کلام مفیدِ تشریف و تکریم است بر بندگاں را، فافہم و باللہ التوفیق۔ (۱)

ہیں کہ ”میں نے تیرے اگلے، پچھلے سب گناہ بخشدیے اور درگزر کیے، تجھ پر کوئی گرفت نہیں ہے“، حالانکہ اُس خادمِ خاص کا کوئی گناہ نہیں ہوتا اور بادشاہ بھی جانتا ہے کہ اس سے پہلے یا بعد کوئی گناہ صادر نہ ہوا، نہ ہوگا۔ تو یہ کلام اُس خاص کیلئے محض ”اعزاز و اکرام“ ہوتا ہے۔ تم بھی اسے سمجھ لو۔ اور توفیق تو اللہ ہی سے ہے۔

یہی شیخ محقق ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں:

در توجیہِ غفرانِ ذنوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ قرآن مجید بداں ناطق است اقوال است۔ بہترین اقوال آنست کہ ایں کلمہ تشریف ست مر آنحضرت را از جانبِ مولیٰ تعالیٰ بے آنکہ ذنب وجود داشتہ باشد، چنانکہ صاحبِ مر بندۂ خود را بگوید کہ گناہانِ ترا بخشیدم، تو فارغ البال باش،

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غفرانِ ذنوب (جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے) کی توجیہ میں متعدد اقوال ہیں۔

ان میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بغیر اسکے کہ آپ سے کوئی گناہ ہوا ہو، خدائے پاک کی طرف سے اعزاز و اکرام ہے جیساکہ حاکم اپنے لائق خادم کو یہ کہتا ہے کہ ”میں نے تیرے نام

(۱) مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۷ ایضاً ج ۱ ص ۸۶ باب سوم در بیان فضل و شرافت۔

وہیچ اندیشہ مکن اگرچہ آں بندہ ہیچ گناہ نداشتہ باشد (۱)

گناہ بخش دیئے، تو آزادرہ، اور کوئی فکر نہ کر، گوکہ اس خادم نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

استغفار کا حکم تعلیم امت کیلئے

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گوکہ گناہوں سے معصوم ہیں لیکن سورۂ مومن اور سورۂ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں آپ کو استغفار کا حکم اس لئے دیا گیا کہ امت کے لئے استغفار "سنتِ رسول" ہو جائے جلالین میں اسی تفسیر کو اختیار فرمایا، عارف باللہ حضرت علامہ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "بہت اچھی تفسیر" کہا۔ تفسیر کبیر و خازن وغیرہ میں آیت کی ایک مراد یہ بھی بتائی۔

ھذا تعبُّدٌ من اللہ تعالیٰ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم لیزید ہ درجۃً ولیصیر سنۃ لغیرہ من بعدہ ا ھ (۲)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطور عبادت استغفار کا حکم ہے تاکہ آپ کا درجہ بلند ہو، اور آپ کے بعد دوسروں کے لئے یہ سنت ہو جائے۔

• وقیل أیضاً: المقصود منہ محض التعبّد کما فی قولہ "ربنا واٰتنا ماوعدتنا

استغفار کے حکم سے مقصود محض عبادت کا حکم ہے، جیسا کہ ارشاد باری "اے ہمارے رب۔ اپنے رسولوں کی معرفت

(۱) اشعۃ اللمعات ص ۱۲۸/۱ باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ، الفصل الاول۔

(۲) التفسیر الخازن علی هامش البیضاوی وغیرہ ص ۳/۱۵۱، ۵/۷۔

عَلىٰ رُسُلِكَ ، فإنّ إيتاءَ ذلكَ الشئ واجبٌ ، ثم إنه أمرنا بطلبه. وكقوله: "رَبّ احْكُمْ بِالحقّ" ، من أنا نعلم أنه لا يحكم إلّا بالحقّ اھ

(۱)

توُنے ہم سے جو وعدہ کیا ہے اسے عطا فرما ، کیونکہ اسکی عطا تو ثابت ہے پھر بھی اللہ تعالےٰ نے ہمیں اسکی طلب کا حکم فرمایا ، اور جیسے ارشادِ باری (رسول نے کہا) اے رب حق فیصلہ فرمادے ، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ اس کا فیصلہ حق ہی ہوتا ہے۔

● (وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ) قيل له ذلك مع عصمته لِتستنّ به أُمته ، وقد فعله قال صلى الله عليه وسلم : إنّي لأستغفر الله في كلّ يومٍ مائة مرة ۔ اھ

(۲)

سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کو آپ کے معصوم ہونے کے باوجود استغفار کا حکم دیا گیا تاکہ امت اسکو اپنا طریقہ بنالے۔ اور سرکار نے اسے کرکے دکھا بھی دیا۔ خود آپ کا ارشاد ہے کہ "میں روزانہ خدائے پاک کی بارگاہ میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

اس کے تحت صاوی شریف میں ہے:

وهٰذا أحد أوجهٍ في تاويل الآية وهو أحسنها۔ اھ (۳)

اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی ہے اور یہ سب سے اچھی تفسیر ہے۔

(۱) ألتفسير الكبير ص ۷۹ ، ج ۲۸ ۔

(۲) جلالین شریف ص ۴۲۱ ۔

(۳) ألتفسير الصاوی ص ۹۰ ج ۴ ، أيضاً ص ۱۲ ج ۴ ۔

تفسیر جلالین کے حاشیہ پر ہے :

وھٰذا اَحدُ من الوجوہ اَلتی ذکرھا الشیخ المحدث الدھلوی فی مدارج النبوۃ ۔ اِھ (۱)

یہ اُن مطالب میں سے ایک ہے جنھیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مدارج النبوۃ میں ذکر کیا ہے ۔

(۳) امکانی گناہ سے استغفار کا حکم

انبیائے کرام علیہم الصّلاۃ والسّلام سے عقلی طور پر گناہ کا صدور ممکن ہے ، یہاں اسی امکانی گناہ سے استغفار کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے انکشاف فرمایا ۔ آپ لکھتے ہیں کہ :

وابن عباس رضی اللہ عنہما گفتہ اند کہ مراد غفرانِ ذنوب ست بر تقدیر وقوع ، وفرضِ آن بامکانِ عقلی ، نہ وجود فعلی ۔ (۲)

سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آیۂ کریمہ میں امکانِ عقلی کے طور پر گناہ فرض کر کے ، اسکے وقوع کی تقدیر پر اسکی بخشش و معافی مراد ہے ، فی الواقع موجود گناہ کی بخشش نہیں مراد ہے ۔

مجدد اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اسی مضمون کو شستہ بیانی کے ساتھ اس طرح واضح کیا ہے ، رقمطراز ہیں ؛

" دونوں آیۂ کریمہ میں صیغۂ امر ہے اور امر انشاء ہے ، اور انشاء

(۱) حاشیۃ الجلالین ص ۴۲۱ ۔

(۲) مدارج النبوۃ ص ۸۶ ج ۱ باب سوم در بیان فضل و شرافت ۔

وقوع پر دال نہیں، تو حاصل اس قدر کہ بفرض وقوع، استغفار وجیب،
نہ یہ کہ معاذ اللہ واقع ہوا جیسے کسی سے کہنا اَکْرِمْ ضَیْفَکَ
"اپنے مہمان کی عزت کرنا"، اس سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت
کوئی مہمان موجود ہے، نہ یہ خبر ہے کہ خواہی نخواہی کوئی مہمان آئے گا
ہی، بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ایسا ہو تو یوں کرنا"۔ (۱)

شفاء شریف اور اس کی شرح میں ہے:

(فمقصد الآیۃ) أی مرادھا (إنک مغفور لک غیر مؤاخذ بذنب أن لو کان) أی حقیقۃ أو حکمًا۔ (۲)

آیت فتح سے مراد یہ ہے کہ بالفرض اگر آپ کا حقیقۃً یا حکمًا کوئی گناہ ہوتا تو بھی آپ سے کوئی مواخذہ نہ ہوتا، آپ کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔

عِصیان کی تفسیر

جو علماء، حضرات انبیاء کرام سے صغائر کا صدور جائز مانتے ہیں انھوں نے سورۂ طٰہٰ کی آیۂ کریمہ:

وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ۔

آدم نے اپنے رب کی معصیت کی۔

سے بھی استدلال کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو "شجرۂ ممنوعہ" کے پاس جانے سے منع فرمادیا تھا لیکن شیطان نے

(۱) فتاویٰ رضویہ ص،، ج ۹۔

(۲) الشفاء وشرح الشفاء ص ۳۸۳ ج ۲ فصل فی الرد علی من أجاز علیہم الصغائر

ایک فریب کے ذریعہ آپ کو اس درخت سے کچھ چکھا دیا، اسی کو آیۂ مذکورہ بالا میں حضرت آدم کی معصیت قرار دیا گیا ہے۔

لیکن یہ استدلال اس امر پر موقوف ہے کہ آپ سے امر الٰہی کے خلاف یہ فعل قصداً گناہ جانتے ہوئے صادر ہوا ہو، حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ شیطان نے ایک تاویل (جو فی الواقع مکارِ ازلی کا فریب تھی، تاویل نہ تھی) کے ذریعہ شجر ممنوعہ سے کچھ کھانے کا جواز ثابت کر دیا تھا اور ساتھ ہی اس پر قسم بھی کھا لی تھی، چنانچہ قرآن حکیم شہادت دیتا ہے:

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا مِنَ النّٰصِحِیْنَ ہ (الأعراف ۷۔ آیة ۲۱)	اور شیطان نے ان سے (یعنی حضرت آدم و حوا سے) قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو گمان بھی نہ تھا کہ کوئی اللہ کی قسم کھا کر جھوٹ بول سکتا ہے اس لئے آپ نے اس کی بات کا اعتبار کیا اور نہیِ الٰہی کا خیال نہ رہ گیا، چنانچہ خود قرآن حکیم شاہد ہے:

وَلَقَدْ عَھِدْنَآ اِلٰٓی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ع (طٰهٰ ۲۰۔ آیة ۱۱۵)	ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا، تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔

ظاہر ہے کہ جو فعل سہو و نسیان سے صادر ہوا ہو وہ حکم الٰہی کی نافرمانی یا گناہ نہیں قرار پاتا کہ سہو و نسیان معاف ہے۔ اس مضمون کی وضاحت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے یوں فرمائی:

"ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاقِ معصیت

"عمد" ہی سے خاص نہیں قال اللہ تعالیٰ: وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ، آدم نے اپنے رب کی معصیت کی۔ حالانکہ خود فرماتا ہے فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۵ آدم بھول گیا ہم نے اسکا قصد نہ پایا۔

لیکن سہو نہ گناہ ہے، نہ اس پر مؤاخذہ۔ خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔ اے ہمارے رب، ہمیں نہ پکڑ، اگر ہم بھولیں، یا چوکیں (۱) "

اسی لئے آپ نے آیہ مذکورہ کا ترجمہ ان الفاظ سے کیا:

" اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی۔" (کنزالایمان)

خُلاصۂ تفاسیر

" ذنب وغفران " کے مفہوم کی تعیین کے لئے ہم نے جن توجیہات و تفاسیر کا انتخاب کیا ہے ان کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) " ذنب " سے مراد اہلِ بیت کی لغزشیں اور امت کا گناہ ہے۔ میرے نزدیک یہی تفسیر ارجح ہے۔

(۲) " غفرانِ ذنب " یا " معافیٔ گناہ " کریم مولیٰ کی طرف سے اپنے حبیب رسول کو ایک خاص قسم کا اعزاز و شرف ہے۔ جس کا

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۲۹ ونحوہ فی الشفاء وشرحہ ص ۳۰۸ ج ۲۔

تعلق گناہ کے وقوع وصدور سے نہیں۔

(۳) گناہ کے امکانِ عقلی کے طور پر "غفرانِ ذنب" کی بشارت یا اس کی طلب کا حکم دیا گیا ہے۔

(۴) "استغفار" کو "سنتِ رسول اللہ" بنانے کیلئے محض ایک عبادت کے طور پر حضور اقدس کو اس کا حکم دیا گیا جس پر آپ نے عمل بھی کیا اور ساتھ ہی لوگوں کو اس سے آگاہ بھی فرمایا۔

(۵) استغفار سے مراد "گناہ سے حفاظت کی طلب" اور غفران ذنب سے مراد "گناہ سے حفاظت" ہے

(۶) استغفار کا حکم رسول اللہ کو نہیں، بلکہ اس کا خطاب "عام سامعین" سے ہے جو اس کے مخاطب بن سکیں۔

(۷) ذنب سے مراد "الزام" ہے اور غفران سے مراد "اسی کو مٹانا"۔

(۸) یہاں ذنب کا اطلاق "خلافِ اولیٰ" کے لئے کیا گیا ہے جسے ترکِ افضل بھی کہا جاتا ہے، اور یہ بھی کوئی گناہ نہیں۔

(۹) "شکر لسانی" یا "شکر کامل" میں کمی کو ذنب کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا کہ یہ کمی آپ کے منصب عالی کے پیش نظر ایک بڑی بات تھی۔

(۱۰) ذنب سے مراد بشری لوازمات وحوائج اور خلق کی اصلاح، اور امورِ امت کی تدبیر و نظم و نسق میں شغل کی حالت ہے جو خالص مشاہدۂ حق اور بحر توحید میں استغراق کی حالت سے کم رتبہ ہے، یا اس سے مراد آپ کے "سیر فی اللہ" کی ہر پہلی گھڑی ہے جس سے بعد کی ہر گھڑی افضل و بہتر ہے۔ یہ بھی فی الواقع گناہ نہیں لیکن

آپ کے نزدیک مشاہدۂ حق میں یہ کمی بھی گویا بڑی بات تھی۔

(۱۱) ذنب کا لفظ سہو و نسیان کے لیئے استعمال کیا گیا ہے جسے لغزش بھی کہا جاتا ہے اور یہ بھی درحقیقت گناہ نہیں ہے جیسے چار رکعت والی نماز میں بھول سے دو رکعت پر ہی سلام پھیر دینا، اس کا گناہ سے کوئی علاقہ نہیں مگر قرآن کے عرف میں یہ بھی ذنب کا مصداق ہے۔

قائلینِ صغیرہ کی مستند احادیث

وہ علماء جو انبیائے کرام سے "صدورِ گناہ" کو جائز مانتے ہیں انھوں نے اپنے موقف کے ثبوت میں کچھ احادیثِ نبویہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ وہ احادیث دو طرح کی ہیں:

ایک تو وہ احادیث جن میں صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف "غفرانِ ذنب" کی نسبت کی ہے۔

دوسری وہ احادیث جن میں حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا "استغفار" فرمانا وارد ہے۔

مثال کے طور پر ہر نوع کی ایک ایک حدیث نقل کرتا ہوں۔

● عن عائشة، قالت: كان رسولُ الله صلى الله عليه وسلم اِذا اَمَرهم،	اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کو جب کوئی حکم

أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيقُونَ - قَالُوا: إِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، فَيَغْضَبُ حَتَّى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ، ثُمَّ يَقُولُ: إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللهِ أَنَا - (۱)

دیتے تو انہیں ایسے اعمال کا حکم فرماتے جو ان کے بس میں ہو (کہ انہیں آسانی کے ساتھ پابندی سے کرسکیں) صحابۂ کرام عرض کرتے، یارسول اللہ ہم آپ کے مثل نہیں (کہ) اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے، پچھلے ذنب کی مغفرت فرمادی ہے۔ تو سرکار ناراض ہوتے یہاں تک کہ چہرے سے ناراضگی کے آثار ظاہر ہوتے۔ پھر آپ ارشاد فرماتے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں، اور مجھے سب سے زیادہ اس کا عرفان حاصل ہے۔

● عن أبي بردة، عن الأغرّ المزني - أنّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قال: إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ - (۲)

حضرت ابو بردہ حضرت اغرّ مزنی رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میرے دل پر ایک حجاب لطیف پڑجاتا ہے تو میں روزانہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

دونوں طرح کی احادیث کے مطالعہ سے جو بات عیاں ہوکر سامنے

(۱) الصحیح البخاری ص ۷ ج ۱ -

(۲) الصحیح لمسلم ص ۳۴۶ ج ۲ باب استحباب الاستغفار والاستکثار -

آتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف "مغفرتِ ذنب"، اور "طلبِ مغفرت" کی نسبت کی گئی ہے جیسا کہ آیات میں بھی ٹھیک انھیں دونوں امور کی نسبت آپ کی طرف کی گئی ہے۔ فرق یہ ہے کہ آیات میں یہ نسبت خدائے پاک نے کی ہے اور احادیث میں کہیں صحابۂ کرام نے، اور کہیں خود رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے۔

اس لئے وہ تمام توجیہات جو آیات کے باب میں مذکور ہوئیں، یہاں بھی جاری ہوں گی۔ اور خاص حدیثِ استغفار کی توجیہ و جیہ شفائے قاضی عیاض، اس کی شرح نسیم الریاض، شرح مسلم اور تفسیر خازن سے نقل کی جا چکی ہے۔ صحابۂ کرام کا قول "قَدْ غَفَرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ" بظاہر قرآن حکیم کی آیت سے ماخوذ ہے، یا اُسی کا اقتباس ہے تو جو مراد ان الفاظ سے قرآن پاک کی ہے وہی مراد صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی بھی ہے، مثلاً مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کے مسلکِ مختار کے مطابق صحابۂ کرام کی عرضداشت کا مطلب یہ ہوگا کہ:

"یارسول اللہ! آپ کی وجہ سے، یا آپ کے صدقہ وطفیل میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے گناہوں کو بخش دیا تو آپ تو اسکے محبوب ہیں، آپ کی رضا خدا چاہتا ہے آپ سے اس کی ناراضگی اور اسکے مواخذہ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، پھر آپ کو عبادت میں اس قدر مشقت اٹھانے کی کوئی حاجت نہیں"

یا یہ مطلب ہوگا کہ:

- یارسول اللہ! آپ تو گناہوں سے معصوم ہیں کہ خدائے پاک کی عصمت وحفاظت آپ کے اور گناہوں کے درمیان حائل ہے جو آپ کو گناہوں سے ڈھال کی طرح بچاتی ہے۔
- " " یا آپ پر کفار ومشرکین نے جو کچھ الزامات لگائے اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ سب کچھ مٹا دیئے اور ہر طرح کے عیب والزام سے آپکی ذات بابرکات کا منزہ ہونا واضح فرمادیا۔
- " " یا آپ کو "معافی گناہ" کے اعزاز وشرف سے آپکے رب نے نواز دیا۔ تو آپ کو طاعات وعبادات میں مشقت برداشت کرنے کی کیا حاجت۔؟

یہاں سے معلوم ہوا کہ احادیثِ نبویہ سے بھی انبیاء وسیدالانبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات سے صدورِ گناہ کا ثبوت نہیں فراہم ہوتا۔

مدرسۃ البنات العزیزیہ کا قیام وافتتاح

لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کی دینی اہمیت، نیز عصر حاضر میں اس کی اشد ضرورت کے پیش نظر محب محترم حضرت مولانا الحاج شوکت علی صاحب مصباحی زید مجدہم موضع آنجنا، پوسٹ رشید آباد ضلع الہ آباد نے حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی کی طرف منسوب کرکے مدرسۃ البنات قائم کیا ہے جس کا افتتاح ۲ر جون ۱۹۹۴ء کو راقم الحروف نے کیا۔

اہل خیر حضرات سے تعاون کی درخواست ہے۔

خُلاصۂ مباحث

اور انبیائے کرام کی طرف انتسابِ گناہ کا حکم

اب تک کے مباحث سے یہ امر بخوبی عیاں ہوگیا کہ جن علماء نے انبیائے کرام کی طرف گناہِ صغیرہ کا انتساب جائز قرار دیا ہے ان کی دلیل کتاب وسنت کے وہ نصوص ہیں جن میں انبیائے کرام کے تعلق سے "ذنب" یا اس کے مترادفات کا ذکر ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان نصوص سے استدلال بجا نہیں۔

(۱) کیونکہ ان نصوص کو بغیر کسی تاویل کے اگر محض ظاہر پر محمول کیا جائے تو انبیائے کرام سے کبائر بلکہ اکبر الکبائر کا صدور لازم آئیگا، حالانکہ کوئی بھی مسلمان اس کا قائل نہیں اور یہ اجماع امت کے خلاف ہے مثلاً حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق فرمایا گیا:

"عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى"

اور حضرت آدم وحوا کے متعلق فرمایا گیا۔

"فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ (أی له سبحانه وتعالیٰ) شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ"

(۱۹۰، س الأعراف ۷)

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ اعتراف قرآن پاک نے نقل کیا:

"سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ"

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق وارد ہوا:

"فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ، قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ"
اوران کے علاوہ دوسری آیات واحادیث ۔

امام قاضی عیاض مالکی اور علامہ علی قاری حنفی علیہما الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

(احتجوا علی ذلك) أی علی تجویزها علیهم (بظواهر کثیرة من القرآن والحدیث، إن التزموا ظواهرها) من غیر أن یأولوا أکثرها واتخذوها مذهبا وطریقة (أفضت بهم إلی تجویز الکبائر) علیهم (وخرق الإجماع، وما لا یقول به مسلم أی من تجویز الکبائر بعد البعثة عمدا فإنه لا یقول به إلا الحشویة ۔اھ

(۱)

انبیائے کرام سے صدورِ صغائر کے قائلین نے قرآن وحدیث کے بہت سے نصوص کے ظواہر سے استناد کیا ہے۔ اگر یہ لوگ اکثر نصوص میں تاویل کئے بغیر ان کے ظواہر کو لازم کرلیں اور انھیں کو مذہب ومسلک بنالیں تو یہ انبیائے کرام سے کبائر کے صدور اور مخالفتِ اجماع کو مستلزم ہوگا، نیز اس بات کی تجویز کو مستلزم ہوگا جس کا کوئی بھی مسلمان قائل نہیں، یعنی اعلانِ نبوت کے بعد قصداً کبائر کا صدور۔ کیونکہ اس امر کا قائل سوائے ایک بدمذہب فرقہ "حشویہ" کے کوئی نہیں۔

---

(۱) الشفاء وشرح الشفاء ص۲۷۹/ج۲ فصل فی الرد علی من أجاز علیهم الصغائر
ومدارج النبوۃ ص۸۵/ج۱ باب سوم در بیان فضل وشرافت ۔

(۲) ظواہر نصوص سے بھی استدلال اس وقت درست ہوتا جبکہ "ذنب" گناہ کے معانی میں اور "غفران و استغفار" معافی گناہ اور اس کی طلب کے معنی میں متعین ہوتے، لیکن جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہوا واقعہ اس کے برخلاف ہے، یہی حال اس باب کے اکثر نصوص کا بھی ہے۔

(۳) درج بالا آیات میں ذنب کو "گناہ" اور غفران و استغفار کو "معافی گناہ، اور اس کی طلب" کے معنی میں لیا جائے تو بھی اسکی بہت سی قابل قبول ولائق اعتماد توجیہات ہیں۔

یونہی مفسرین کرام و علمائے فخام نے دوسرے نصوص کی بھی ایسی دلنشیں توجیہات فرمائی ہیں جن سے انبیائے کرام کی عصمت عیاں ہوجاتی ہے۔

تو پھر ان توجیہات کے ہوتے ہوئے انبیاء و رسل سے گناہ کے صدور کا ثبوت نہیں فراہم کیا جاسکتا کہ احتمال کے ساتھ استدلال درست نہیں ہوتا "إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" ضابطۂ مسلّمہ ہے۔

شفاء و شرح شفاء میں ہے:

(فکیف) يُجَوِّزُوْنَ الصَّغائرَ عليهم (وكلّ ما احتجّوا به مما اختلف المفسرون في معناه وتقابلتِ الاحتمالاتُ)

انبیائے کرام سے صغائر کا صدور کیسے جائز بتاتے ہیں، حالانکہ جن نصوص سے یہ استدلال کرتے ہیں انکے معنی کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے اور ان کے

أو الإحتمالان (في مقتضاه) — مقتضیٰ و مراد کے سلسلے میں احتمالات
ومع وجود الإحتمال لا يصح — باہم متعارض ہیں، اور احتمال کے
الإستدلال اھ — ہوتے ہوئے استدلال درست
(۱) — نہیں۔

(۴) انبیاء و رُسُل علیہم الصلاۃ والسلام کی عصمت کتابُ اللہ کی آیات، ارشاداتِ نبوت، اور اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ دلائل کے مطالعہ سے عیاں ہے، اب اگر دوسرے نصوص (جن میں انبیاء کی طرف ذنب وغیرہ کی نسبت کی گئی ہے) کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے تو دونوں طرح کے نصوص میں تعارض و خرقِ اجماع لازم آئے گا، لہٰذا ان نصوص کے ظاہر سے استدلال ہرگز درست نہیں ——— یہی وجہ ہے کہ جمہور سلف و خلف نے ان آیات کی بہت سی تاویلات و توجیہات کیں جن کا ایک نمونہ گزشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ کیا، لہٰذا انبیائے کرام کی طرف گناہ کی نسبت جائز نہیں، بلکہ حرام و گناہ ہے۔

امام قاضی عیاض مالکی، و علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

(وجاءت أقاويلُ) كثيرة — عصمتِ انبیا کے باب میں بعض خلف
(في هذا المبحث للسَّلَفِ) — نے گناہ صغیرہ کے صدور کا جو التزام

(۱) الشفاء وشرح الشفاء ص ۲۷۹، ۲۸۰ ج ۲ فصل مذکور و مدارج النبوۃ ص ۸۵ ج ۱، باب سوم۔

الصَّالحین مِن الصَّحابة والتابعین (بخلاف ما التزموه) أی بعض الخلف (من ذلك) ای من تجویز ما هنالك (وإذا لم یکن مذهبهم إجماعًا وکان الخلاف فیما احتجّوا به قدیمًا، وقامت الأدلّة) أی العقلیة (علی خطاء قولهم وصحّة غیره) أی غیر مقالهم (وجب ترکه والمصیر إلی ما صحّ) دلیله عقلًا ونقلًا۔ (۱)

کیاہے اس کے برخلاف سلفِ صالحین صحابہ وتابعین علیہم الرحمۃ والرضوان کے کثیر اقوال ہیں۔

توجب بعض خلف کا مذہب کوئی اجماعی نہیں اور جن نصوص (کے ظاہر) سے انھوں نے استدلال کیاہے ان کے قابلِ حجت ہونے میں عہدِ قدیم سے اختلاف چلا آرہاہے، اور عقلی دلائل ان کے موقف کی غلطی، اور سلف صالحین کے مسلک کی صحت پر قائم ہوچکے ہیں تو غلط موقف کو چھوڑنا اور دلیل عقلی ونقلی سے مؤید صحیح موقف کی طرف رجوع لانا واجب ہے۔

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وچوں اجماع برخلافِ مذہب ایشاں باشد، وآنچہ احتجاج کردند ایشاں بآں، محتمل

جب بعض خلف کے موقف کے خلاف اجماع قائم ہے اور ان بعض نے جن نصوص سے استناد کیاہے وہ سب کے سب

(۱) الشفاء وشرح الشفاء ص ۲۸۰ ج ۲ فصل فی الرّد علی من أجاز علیهما الصغائر۔

ومؤل بود، ودلائل برخلافِ قولِ ایشاں قائم باشد، باتفاقِ سلف ظواہرِ آں متروک بود، لازم بود ترکِ قول بظواہر، ورجوع باقوالِ سلف۔ (۱)	مؤل ومحتمل ہیں اور انکے قول کے خلاف دلائل قائم اور باتفاقِ سلف ظواہر نصوص متروک ہیں، تو لازم ہے کہ ان کے ظواہر کو چھوڑ کر اقوالِ سلف کو اختیار کیا جائے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیائے کرام ورُسُلِ عظام، بالخصوص حضور اکرم، سیدِ عالم محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلفِ صالحین صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین، وائمہ مجتہدین وعلمائے محققین کی پیروی میں معصوم ماننا واجب ولازم ہے اور انکی طرف گناہ کا انتساب حرام وگناہ ہے۔

ہاں جن علماء وفقہاء نے اس باب میں خشیتِ الٰہی وخوفِ خداوندی کے ساتھ انصاف ودیانت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے غور وفکر کیا اور ظواہرِ نصوص سے انھوں نے یہی سمجھا کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے صغائر کا صدور ہوا، یعنی حقائق کی تہ تک ان کی رسائی نہ ہوسکی اس لئے انھوں نے "تجویزِ صغائر" کا موقف اختیار کیا تو وہ عند اللہ معذور ہونگے، اور عند الناس ان کا حکم یہ ہے کہ "وہ عاصی نہیں، بلکہ صرف خاطی ہیں"

اب بالترتیب ہر سوال کا جواب ملاحظہ کیجئے۔

(۱) مدارج النبوۃ ص ۸۵ ج ۱ باب سوم دربیان فضل وشرافت۔

جوابات

(۱) گزشتہ صفحات میں یہ امر اچھی طرح واضح کیا جا چکا ہے کہ "اُمت کے گناہ" کو "شفیع گناہ" حضور اکرم سیّد عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ادنیٰ لگاؤ کی وجہ سے "مجاز عقلی" کے طور پر منسوب کر دیا گیا ہے اور یہ مجاز قرآن حکیم میں بکثرت شائع و ذائع ہے، عام بول چال میں بھی اس کا رواج پایا جاتا ہے، نیز یہ کتاب اللہ کے اقسامِ خطاب سے ایک "خطابِ بلیغ" ہے اور اسے علماء معانی و بیان نے اسلوبِ بلاغت سے بھی شمار کیا ہے ـــــ اور ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے قرآن حکیم سے ہی اخذ و اقتباس کے طور پر "غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ" کے الفاظ سے استفسار کیا تھا اس لئے یہاں بھی وہی مجازِ عقلی، وہی خطابِ حکیم، اور وہی اُسلوبِ بلیغ کامل طور پر ملحوظ ہے اسی لئے حضرت امام ابن عطار، امام ابو اللیث سمرقندی فقیہ حنفی، امام ابو عبد الرحمٰن صوفی سُلمی، امام محی الدّین ابن عربی، امام فخر الدّین رازی، امام عمر نسفی، محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی، شیخ احمد صاوی مالکی، اور ان کے علاوہ اور بھی علمائے اعلام علیہم الرحمۃ والرضوان نے آیت فتح میں "ذَنْبِکَ" سے امت کا گناہ مراد لیا۔ اور حضرت محقق نے تو اسے "مذہبِ حسن" بھی کہا۔

تو "ذَنْبِکَ" سے امت کا گناہ مراد لینا نہ قرآن مقدس کے خلاف ہے، نہ احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے، نہ اسلوبِ بلاغت کے

خلاف ہے، بلکہ سب کے مطابق ہے اور ہر طرح صحیح و درست ہے۔
ہاں اگر "مجازِ عقلی" کے فہم و ادراک کی راہ میں کسی عقل کو خدشہ لاحق ہو جائے تو اس کے باعث یہ "مجاز" یا یہ "توجیہ وجیہ" مخدوش نہ ہو گی، بلکہ خود وہ عقل ہی "مخدوش" قرار پائے گی۔

لھذا، زید کا موقف بربنائے تحقیق صحیح نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ب) بکر کا موقف بھی غلط ہے کیونکہ جیساکہ مقدمہ دوم میں بیان ہوا "ذنب" کا لفظ لغت میں گناہ کے معنی میں ہی محصور نہیں بلکہ اس کے دوسرے بہت سے معانی بھی ہیں، علاوہ ازیں صرف لغت کا سہارا لیکر قرآن حکیم کی مراد کی تعیین نہیں ہو سکتی۔ کتنے الفاظ ہیں جن کے لغت میں مخصوص معانی ہیں اور قرآن پاک میں ان سے مراد کوئی اور معنی ہے۔ مثال کے طور پر چند الفاظ ملاحظہ ہوں!

(۱) الھُدیٰ : لغت میں اس کا معنی ہے رہنمائی کرنا، پہونچا دینا۔
مگر قرآن حکیم میں یہ کثیر معانی میں استعمال ہوا ہے، جو یہ ہیں۔
ثبات، بیان، دین، ایمان، دعا، رُسل، کتب، معرفت، نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قرآن، تورات، اِسترجاع، حجت، توحید سنت، اصلاح، الہام، توبہ، ارشاد۔ (زبدۃ الاتقان ص۵۹-۶۰ فی معرفۃ الوجوہ والنظائر)

(۲) لفظ رحمت کا اطلاق ان مفاہیم پر کیا گیا ہے۔
اسلام، ایمان، جنت، مَطر (زبدہ ۶۱)
حالانکہ لغت میں اس کا معنی ہے مہربان ہونا، بخش دینا۔

(۳) فتنہ کا لفظ قرآن نے درجِ ذیل معانی میں استعمال کیا۔

شرک، اِضلال، قتل، معذرت، قضاء، مرض، عبرت (زبدہ ۶۱)
اور لغت میں اس کا معنی ہے فتنہ میں ڈالنا، مائل کرنا، گمراہ کرنا

(۴) قرآن مجید میں لفظ ذکر کے اطلاقات یہ ہیں:
ذکرِ لسان، حفظ، طاعت و جزاء، حدیث، قرآن، شرف،
عیب، لوح محفوظ، ثناء، صلاۃ (زبدہ ۶۲) مہ
اور لغت میں اس کا معنی ہے یاد کرنا، نصیحت کرنا، ذکر کرنا۔

اس تفصیل سے عیاں ہے کہ صرف لغت کی کتاب دیکھ کر قرآن حکیم کے مفاہیم عالیہ کی تعیین نہیں کی جاسکتی، اور نہ ہی صرف لغت کی کتاب تفسیر کا معیار بن سکتی ہے۔

بکر نے جو یہ کہا:
"بچے کے سامنے بھی اگر یہ بات رکھیں گے تو وہ بھی کہے گا کہ صحابہ

مہ صاحب اتقان و زبدۃ الاتقان نے مذکورہ الفاظ کے جمع معانی شمار کئے ہیں انھیں آیاتِ قرآنیہ کے شواہد سے مؤید بھی کیا ہے، تفصیل کے لئے ان کا مطالعہ کیا جائے ہم محض نمونہ کے طور پر ایک اقتباس پیش کرتے ہیں:

"الھدیٰ" بمعنی الثبات: اِھدنا الصراط المستقیم (الفاتحۃ)
و الدّین: ان الھدی ھُدی اللہ (آل عمران ۷۳)
والإیمان: ویزید اللہ الذین اھتدوا ھدیً (مریم ۷۶)
و التوحید: اِن نتبع الھدیٰ معک (القصص ۵۷)
و السنۃ: فَبِھداھُمُ اقتدِہ (الأنعام ۹۰)
(زبدۃ الاتقان ۵۹) ۱۲ منہ غفرلہ"

یہ سمجھ رہے تھے کہ حضور اکرم علیہ السلام کے گناہ معاف ہوئے "

یہ جمہور علمائے اسلام و محققین اعلام کی شان میں بڑی جسارت و گستاخی ہے یعنی بکر کے خیال میں اکابرِ علمائے اسلام کی فہم و عقل بچوں سے بھی کمتر ہے۔

ہاں جو واقعی بچوں کی طرح کم فہم و نا عقل ہوگا وہ ہو سکتا ہے کہ وہی مطلب سمجھے جو بکر نے کہا، آخر بچے کے پاس عقل ہی کتنی، کہ قرآن و حدیث کے دقائق و غوامض کو سمجھ سکے، اس لحاظ سے بکر کی بچوں والی بات صحیح ہے۔

بخاری شریف ص، کی حدیث میں صحابہ کرام کا یہ اعتراف واضح لفظوں میں موجود ہے۔

اِنا لسنا کھیئتک یارسول اللہ یا رسول اللہ! ہم آپ کے مثل نہیں۔

اور پھر انھوں نے مثلیت کی نفی پر دلیل بھی قائم فرمائی اور سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی دلیل اور اعتراف کو برقرار بھی رکھا، اسکے باوجود اگر کوئی صحابہ کرام کے قول کا یہ مطلب سمجھے کہ :

" یارسولَ اللہ! ہم تو آپ جیسے ہیں، آپ بھی انسان ہیں، ہم بھی انسان ہیں، ہماری بھی دو آنکھیں ہیں، آپکی بھی دو آنکھیں ہیں الخ "

تو وہ کم از کم عقل کی پختگی کے لحاظ سے صبیٔ غیر ممیز ضرور ہے، شاید اسی لئے بکر نے بچوں کے فہم و شعور کو سند بنایا ہے۔ جب آدمی ہمہ دانی کے زعم میں گرفتار ہو کر اپنی ناموری کے لئے اپنے اکابر سے اختلاف کرتا ہے تو اس سے اسی قسم کے " اجتہادات " سرزد ہوتے ہیں۔

یہ حدیث پاک کی تحریف ہے کہ صحابہ کرام تو یہ عرض کریں کہ :

"ہم آپ کے مثل نہیں"،

اور بکر ان کی طرف یہ جھوٹ منسوب کرے کہ "ہم آپ کے مثل ہیں"۔

اور حدیث پاک کی تحریف ناجائز و گناہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ج) زید و بکر پر واجب ہے کہ اپنے غلط موقف سے رجوع کرکے سلفِ صالحین و جمہور علمائے محققین کا موقف اختیار کریں اور انبیائے کرام کی جناب میں انتسابِ گناہ کی جسارت سے باز رہیں۔

بکر حدیث پاک میں تحریف کے ارتکاب کی وجہ سے فاسق ہوگیا اس کی اس تحریف سے نبی و غیر نبی کے مابین مساوات کا ایہام ہوتا ہے اور غیر نبی کو نبی کے مساوی بتانا کفر ہے تو تحریف اور ایہام مساوات کے ارتکاب کے باعث اس پر علانیہ توبہ واجب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

محمد نظام الدین الرضوی

خادم الافتاء دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم

مبارکپور۔ اعظم گڑھ

۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

۸/۱۰/ ۱۹۹۲ء

صلی اللہ علیک وعلیٰ آلک یا رسول اللہ

مصنف کی تالیفات

(۱) " جدید بینک کاری اور اسلام " اپنی نوعیت کی منفرد کتاب جس میں لائف انشورنس، جنرل انشورنس، چیک کی خرید و فروخت اور ڈاکخانہ و بینکنگ نظام کے جملہ شعبوں کے شرعی احکام تحقیق کے ساتھ عام فہم زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔ سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۲۰۷۔ قیمت صرف ۱۱/=

(۲) " عظمتِ والدین " اپنے موضوع پر بے نظیر کتاب، جس نے بے شمار لوگوں کے ذہن و فکر میں انقلاب برپا کر کے اسلامی روح پھونک دی۔

صفحات ۹۶ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت صرف ۱۰/=

(۳) " مبارک راتیں " قرآن و حدیث کے حوالوں سے لبریز پانچ مبارک راتوں (شب معراج، شب برات، شب قدر، شبِ عید، شب بقرعید) کے فضائل و اعمال کا مبارک گلدستہ

ع جو قلب کو گرما دے اور روح کو تڑپا دے

صفحات ۸۰ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت صرف ۸/=